ان اللہ یا مرکم ان تذبحوا البقرہ

والبدن جعلنہا لکم من شعائر اللہ و من یعظم
شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب

ہندو مسلم اتحاد

پر

کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام

جس میں

ذبح و قربانی کے متعلق نہایت تحقیق کے ساتھہ عقلی نقلی اور
اقتصادی پہلو سے بحث کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمان
اس شرعی حق سے جو شعائر اللہ میں داخل ہے کسی ملکی مصلحت
یا خیالی نفع کی توقع پر دست بردار نہیں ہو سکتے

باہتمام محمد مقتدی خان شروانی
مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں چھپا
(دسمبر ۱۹۲۰ء)

An Open Letter to Mahatma Gandhi

(containing a scheme for the partition of the subcontinent, written and published in 1920)

with

AN INTRODUCTION

by

Muhammad Ziaul Islam

PAKISTAN HISTORICAL SOCIETY
30 NEW KARACHI HOUSING SOCIETY, KARACHI-5
1970

ذخیرہ کتب: محمد احمد ترازی

ان اللہ یامرکم ان تذبحوا البقرہ

والبدن جعلنٰہا لکم من شعائر اللہ و من یعظم
شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب

ہندو مسلم اتحاد

پر

کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام

جس میں
ذبیح و قربانی کے متعلق نہایت تحقیق کے ساتھ عقلی نقلی اور
اقتصادی پہلو سے بحث کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمان
اس شرعی حق سے جو شعائر اللہ میں داخل ہے کسی ملکی مصلحت
یا خیالی نفع کی توقع پر دست بردار نہیں ہو سکتے

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی
مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں چھپا
(دسمبر ۱۹۲۵ء)

IMPORTANT PUBLICATIONS

A History of the Freedom Movement, Vol. I, II & III
Dhakhirat al-Khawanin, Vol. I (Persian text—edited by Dr. S. Moinul Haq)
Ibn Bajjah's 'Ilm al-Nafs (English translation & Notes by Dr. S. M. Ma'sumi)
Tadhkirah-i-'Ulama-i-Hind (Urdu translation & Notes by M. Ayub Qadri)
Ibn Khallikan's Wafayat al-A'yan (M. de Slane's English Translation), Vol. I, IV, V, VI, (Vol. II, and III in Press) edited by Dr. S. Moinul Haq
Ibn Sa'd's Kitab al-Tabaqat al-Kabir, (English Translation), Vol. I, Pts. I & II
Arabic Sciences in the West by D. M. Dunlop
A Short History of Hind-Pakistan
The Administration of the Sultanate of Delhi by Dr. I. H. Qureshi
Barani's History of the Tughluqs by Dr. S. Moinul Haq
Tadhkiratul Waqi'at of Jawhar Aftabchi (Urdu translation with Introduction and Notes by Dr. S. Moinul Haq)
Dreams of Tipu Sultan (English translation by Dr. Mahmud Husain)
Mashahir-i-Islam (Urdu translation of 'Alam al-Islam) by Dr. Hasan Ibrahim, Cairo
Tarajim al-Fudala of 'Allamah Fadl Imam (with Notes and English translation), edited by Intizamullah Shihabi
Prince Awrangzib : A Study, by Dr. S. Moinul Haq
Historical Dissertations by Lt. Col. K. A. Rashid
Akhbar-i-Rangin (Delhi in the time of Shah 'Alam and Akbar Shah II) edited by Dr. S. Moinul Haq
Life and Works of Faghani by Dr. I. H. Kazmi
History of the Fara'idi Movement by Dr. M. A. Khan
Education and the Development of Muslim Nationalism in pre-partition India by C. Lloyd Thorpe
The Great Revolution of 1857 by Dr. S. Moinul Haq

MEMOIRS

Hispano Arab Libraries by Dr. S. Imamuddin
Foundations of Islamic International Jurisprudence by Dr. Hans Kruse
The Islamic State of Pakistan by Erwin Rosenthal
Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan, edited by S. Moinul Haq
The Brahuis of Quetta-Kalat Region by M. Anwar Rooman
Sultan Muhammad Qutb Shah by Prof. H. K. Sherwani
Khwajah 'Abd al-Samad Shirin Qalam by Dr. M. A. Chughtai
The Original Home of the Tokharians, by M. Rahi Ughur
Muhammad Ibn Ishaq by Dr. M. Hamidullah
Qadi Minhaj al-Din Siraj al-Juzjani by Mrs. Mumtaz Moin
The Proceedings of the Pakistan History Conferences, 1951, 1952, 1953, 1954 1955, 1956, 1958 and 1959

التماس

دسمبر ۱۹۱۸ء کی دہلی کانگریس کے پریسیڈنٹ پنڈت مدن موہن مالوی صاحب نے اجلاس کی آخری نشست میں جس وقت تمام ملک کے ہزاروں نمائندے موجود تھے مسلمانانِ ہند سے یہ التجا کی تھی کہ وہ ہندوؤں کی ''دل آزاری سے باز رہیں اور ان کی طرف برادرانہ محبت سے ہاتھ بڑھائیں''۔ اور آخر میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ''اگر مسلمان یہ ثابت کر دیں کہ ان کے مذہبی نقطۂ خیال سے گائے کی قربانی نہایت ضروری ہے تو باوجود اس تکلیف کے جو مجھے اس معاملہ میں ہو گی میں قربانی کو خود اپنی آنکھ سے دیکھنے کے لئے تیار ہوں''۔ درحقیقت یہ ایک چیلنج تھا جس کا جواب ہمارے ان بھائیوں کے ذمہ تھا جو اس وقت پنڈال میں موجود تھے، مگر انہوں نے ملکی مصالح کی بنا پر یا اپنی ناواقفیت کی وجہ سے سکوت اختیار کیا۔ مجھے عرصہ سے اس کا خیال تھا کہ مالوی جی کو اس مسئلہ کی صحیح نوعیت سے آگاہ کروں، لیکن میری عدیم الفرصتی مانع رہی۔ اس کے بعد ستیہ گرہ اور خلافت کی تحریکات نے ''ہندو مسلم اتحاد'' کے خیال کو پھر چمکایا اور ہمارے سیاسی لیڈرانِ قوم، برادرانِ وطن کی خوشنودی کی خاطر، سنتِ ابراہیمی کو مٹانے کے لئے کمربستہ ہو گئے اور یہاں تک نوبت پہونچ گئی کہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی تحریک اور حکیم اجمل خاں صاحب (مرحوم) کی سعی سے یہ رزولیوشن پاس کر دیا کہ ہمیں ہندوؤں کے جذبات کا

خیال کرکے گائے کی قربانی یک قلم موقوف کر دینا چاہئے۔ اسی زمانہ میں مہاتما گاندھی نے بہ حیثیت پریسیڈنٹ خلافت و انڈین کانگریس اہل ہند کو ترک حیوانات کی نہایت سخت تاکید فرمائی اور تمام ملک میں دورہ کرکے اپنے خیالات کی ہر ممکن ذریعہ سے اشاعت کی، جس کی وجہ سے بعض مقامات کے قصابوں نے اپنے پیشہ کو چھوڑ دینے کا اعلان کر دیا اور عام جلسوں میں خود مسلمانوں نے گائے کی قربانی ترک کرنے کی تجاویز پر لبیک کہنا شروع کیا۔ اس تحریک کی سرگرمی کو دیکھ کر یہ ضروری معلوم ہوا کہ جس طرح بھی ہو قربانی کے مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ ملک کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ جو غلط فہمی اس کے متعلق ہو رہی ہے اس کا انسداد ہو سکے، چنانچہ مارچ و اپریل ۱۹۲۰ء میں اخبار ذوالقرنین بدایوں میں یہ مضمون زیر عنوان "ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام"۔ شائع کیا گیا اور اب اس کو رسالہ کی صورت میں ترتیب دے کر پبلک کے سامنے پیش کرتا ہوں اور خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں دست بدعا ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اس ناچیز تحریر کو عامۂ مسلمین کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ وما علینا الا البلاغ۔

محمد عبدالقدیر بدایونی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

(ص۔۳) مہاتماجی! ہندوستان کے پولیٹکس میں کوئی مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا کہ ہندومسلم اتحاد کا، کیونکہ یہ بات مسلمات سے ہے کہ اس ملک کی آئندہ بہبودی اور ترقی کی جملہ اسکیموں کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ یہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کریں۔ لیکن جو طوفان بے تمیزی ایسے مہتم بالشان معاملہ کے متعلق فریقین کی جانب سے برپا کیا جا رہا ہے اس کو دیکھ کر مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ عنقریب عام طبائع میں کوئی انقلاب ہوگا اور مدعیان اتحاد کے وہ دعوے جو خود غرضی، ناواقفیت یا مجالس کی رونق بڑھانے کے لئے کئے جا رہے ہیں لغو ثابت ہونگے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ باہمی منافرت میں اور ترقی ہوگی اور جو امید افزا صورتیں حسن اتفاق سے پیدا ہو چلی ہیں، وہ ہمیشہ کے لئے معدوم ہو جائیں گی۔ اس میں شک نہیں کہ جب تک شورش پسندی کا دور دورہ رہے گا اس وقت تک ہمارے فضل لیڈر، اسٹیج پر نمایاں نظر آئیں گے، ان کی تقریروں پر مرحبا و آفرین کے نعرے بلند ہوں گے اور کچھ دنوں کے لئے "من تو شدم تو من شدی" کا دلفریب سماں نظر آنے لگے گا۔ لیکن یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جس قسم کا اتحاد وہ اپنی چرب زبانی سے قائم کرنا چاہتے ہیں اس میں اتنی قوت نہیں ہے کہ سکھوں کے زمانے میں ایک مسلمان (ص۔۴) بھی اسے

ممکن العمل سمجھے - یہ ہیں وہ خطرات جنہوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس مسئلہ پر آپکی توجہ مبذول کروں - میری اس تحریر سے آپ ہرگز یہ خیال نہ فرمائیں کہ میں ہندو مسلمانوں کے پولیٹیکل اتحاد کا مخالف ہوں' کیونکہ جیسا میں نے اوپر عرض کیا ہے میری رائے میں اس ملک کی فلاح کا انحصار ہی اس بات پر ہے کہ یہ دونوں قومیں سیاسیات میں مل جل کر کام کریں - البتہ میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ جو باہمی تصفیہ کیا جائے وہ صحیح واقعات اور ایک دوسرے کے حقیقی جذبات کو سمجھنے کے بعد کیا جائے' تاکہ فریقین کو بعد میں شکایت کا موقع نہ ہو اور جو کچھ ایک بار طے ہو جائے اس پر تمام قوم بلا دقت عمل پیرا ہو سکے - یہ بات اسلامی شان سے بعید ہے کہ ہم اس وقت غلط توقعات پیدا کر کے کسی مسئلہ میں ہندوؤں کو اپنا ہم آہنگ بنا لیں اور بعد کو ایسا طرز عمل اختیار کریں جو ہمارے پچھلے دعوے کے بالکل خلاف ہو' اس قسم کی چالیں یورپ کی پالیٹکس کی روح رواں ہیں لیکن ہمیں ان سے کچھ سروکار نہیں اور نہ ہم اپنے ملک میں جہاں اس گئے گزرے زمانہ میں بھی خدا پرستی کا بہت کچھ اثر باقی ہے اس بے ایمانی کو رواج دینا چاہتے ہیں -

مہاتما جی! میں نے آپ کو اس لئے مخاطب کیا ہے کہ آپ ایک مذہبی خیال کے بزرگ ہونے کے باوجود' ہندو مسلم اتحاد پھیلانے کے لئے تمام ملک میں دورہ کر رہے ہیں اور آپ سے یہ توقع کرنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ دوسروں کے جذبات کا پورا لحاظ کرینگے اور جو کچھ میں عرض کروں گا اس پر غور کرنے کے بعد اپنے خیالات کا پبلک میں اظہار فرمائیں گے - سب سے پہلے میں

چند اصولی باتیں عرض کرتا ہوں جو ہر باہمی تصفیہ کے وقت آپ کو مد نظر رکھنا چاہئیں - ان کے ذکر کی اس لئے ضرورت پیش آئی ہے کہ ہمارے بعض نوجوان لیڈروں نے اپنی ناواقفیت یا فریب دہی کی نیت سے' اسلامی تعلیم کے خلاف ہنود سے علانیہ ایسے وعدے کرنا شروع کر دئے ہیں جن کا ایفا (صدہ) ناممکن ہے اور جن کی بنا پر آپ کی قوم میں ہماری جانب سے غلط توقعات پیدا ہونے لگی ہیں' جو آگے چل کر مایوسی کا باعث ہوں گی اور عجب نہیں کہ ہمیشہ کے لئے اتحاد کی بیخ کنی کر دیں - اس لئے یہ آپ کا فرض ہے کہ مندرجہ ذیل اصول آپ اہل ملک کے ذہن نشین کر دیں تا کہ ہندو مسلم اتحاد جیسے اہم مسئلہ میں کسی غلط فہمی کی گنجایش نہ رہے -

(۱) ہمارے مذہب کی رو سے شعائر اللہ کو دنیاوی وجاہت یا نفع کے عوض میں بیع کر دینا ہرگز جائز نہیں - قرآن پاک میں اس کی جابجا تہدید آئی ہے اور ایسا کرنے والوں کے لئے نہایت سخت و شدید سزا مذکور ہیں - ایسی حالت میں یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ گائے کی قربانی سے جو بمضمون "والبدن جعلنها لکم من شعائر اللہ" ہمارا مذہبی حق ہونے کے علاوہ شعائر دین سے ہے - ہم اس بنا پر دست بردار نہیں ہو سکتے کہ اس کے عوض میں ہنود ہم سے خوش ہو کر ہمارے بہت سے سیاسی مطالبات کو تسلیم کر لیں گے یا کسی خاص مسئلہ میں ہمارا ساتھ دینگے -

(۲) یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہنود' کافر اور مشرک ہیں اور ہمیں ممانعت ہے کہ ہم ان کے ساتھ دوستی یا محبت کا برتاؤ

کریں'' کما قال اللہ تعالیٰ ''لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذالک فلیس له من اللہ فی شیء''* (پ ۔ ۳) ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا ہے۔ ''یاایھا الذین آمنوا لاتتخذوا بطانة من دونکم لا یالونکم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر (ط) قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون۔''** ان احکام خداوندی کی موجودگی میں ہنود کو یہ ہرگز توقع نہ رکھنا چاہئے کہ مسلمان کبھی بھی ان کے ساتھ حقیقی محبت و مودت کا برتاؤ کریں گے' البتہ ملکی و سیاسی بنا' پر یا اغراض مشترک ہونے کی صورت میں ہم بلا تامل معاہدات کر سکتے ہیں جو ہر حال میں ہمارے لئے قابل تائید ہوں گے۔

(۳) ہنود کے تہواروں میں (مثلاً رام لیلا' ہولی' دسہرہ' ڈولا وغیرہ) جن سے انکے مذہب اور شعائر کفر کی علی الاعلان ترویج ہوتی ہے ہم قطعاً شریک نہیں ہو سکتے۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''من کثر سواد قوم و ھو منھم'' نہ ہم ایسے معاملات میں

* یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ بجز مسلمانوں کے کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس سے اور اللہ سے کچھ سروکار نہیں (سورہ' آل عمران پارہ ۳)

** یعنی اے ایمان والو غیر مذہب والوں کو اپنا رازدار اور دلی دوست نہ بناؤ یہ تمہاری خرابی میں کچھ اٹھا نہ رکھیں گے۔ یہ دوست رکھتے ہیں ایسی چیزوں کو جو تمہیں مشقت اور مصیبت میں ڈالدے بغض کی باتیں تو ان کے منہ سے نکلی ہی پڑتی ہیں اور جو کچھ ان کے دل چھپائے ہوئے ہیں وہ بہت ہی بڑی ہیں۔ ہم نے تمہارے لئے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو (سورہ' آل عمران پارہ ۴)

کسی قسم کی اعانت' دامے' درمے' قدمے' کر سکتے ہیں' چنانچہ قرآن پاک میں صاف مذکور ہے۔

اس شرعی اصول کی ناواقفیت کی وجہ سے یا اپنی اخلاقی کمزوری سے بعض مرتبہ مسلمان' ہندوؤں کے مذہبی جلوس میں شرکت کرتے ہیں' اس کا انتظام کرتے ہیں اور چندے دیتے ہیں اور اس پر طرہ یہ ہے کہ اس قسم کے تعلقات' اخبارات میں بطور اتفاق و اتحاد کے دلائل کے بیان کئے جاتے ہیں یہ سب باتیں ہمارے (ص ۔ ے) یہاں قطعی حرام ہیں اور قابل احتراز۔

یہ ہیں وہ اصول جن پر مسلمان' من حیث القوم قایم ہیں اور مجھے آپ کی دیانتداری سے پوری توقع ہے کہ آپ انہیں اپنی قوم میں اچھی طرح مشتہر کردینگے تا کہ سیاسی اتحاد کی جو عمارت کھڑی کی جارہی ہے اسکی بنا' غلط توقعات پر نہ ہو۔ اب میں ان (میں) سے ہر ایک بات کے متعلق کسی قدر تفصیل سے گفتگو کروں گا اور آخر میں یہ بتلاؤں گا کہ میری رائے میں ہندو مسلم اتحاد کی تحریک کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنا چاہئیں۔

مہاتما جی! میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ قربانی شعائر اللہ میں سے ہے اور ہم محض ہنود کی خوشنودی یا پولیٹیکل وجوہ پر اپنے حق سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ یہ مسئلہ فی الحقیقت نہایت اہم ہے اور میں اس بات کا خواہشمند ہوں کہ آپ اسلامی نقطہ' خیال کو سمجھنے کی پوری کوشش فرمائیں اور ہمارے مذہبی احکام پر غور کرنے کے بعد یہ رائے قایم کریں کہ بحالت موجودہ آپ کو اور آپ کی قوم کو اس خاص مسئلہ میں کیا طرز عمل اختیار کرنا

چاہئے تا کہ جو نا مناسب مطالبات اس وقت محض ناواقفیت کی بنا پر کئے جا رہے ہیں ان کا یک قلم سدباب ہوسکے اور ملک کو چین نصیب ہو۔ اس عریضہ میں، میں چند باتیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ ان پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کرینگے۔

(۱) سب سے پہلے یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت پر، جو مستطیع ہو عیدالضحیٰ میں قربانی واجب ہے اور ہماری شریعت میں تمول کا یہ معیار ہے کہ جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو وہ مالدار سمجھا جائے گا۔ مینڈھا، بھیڑ، بکری وغیرہ فی کس ایک ذبح کرنا چاہئے لیکن گائے، بیل، ([illegible]) اونٹ وغیرہ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

(۲) ہنود کی جانب سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب کسی خاص قسم کے جانور کی قربانی ضروری نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پھر مسلمان بھیڑ بکری ذبح کر کے ان کا دل کیوں نہ خوش کریں؟ اس کا جواب میں کئی طریقہ پر دوں گا۔

(الف) اول یہ کہ ایک بکری کی قیمت دس روپیہ یا بارہ روپیہ سے کم نہیں ہوتی اس لئے اگر ایک خاندان میں سات آدمی قربانی کرنا چاہتے ہیں تو انھیں اسی پچاسی روپئے صرف کرنا پڑیں گے اور اگر یہی لوگ گائے ذبح کر کے اس مذہبی رکن کو ادا کرنا چاہیں گے تو ایک جانور جس کی قیمت بیس روپئے یا پچیس روپئے ہوگی سب کے لئے کافی ہے، گویا فی کس ۳ روپئے خرچ ہوں گے، اب آپ ہی فرمائیے کہ یہ کیا انصاف ہے کہ اس گرانی کے زمانہ میں ایک مفلس قوم کو اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ جو کام تم

تین روپئے میں کر سکتے ہو اسے ہماری خاطر سے بارہ روپئے میں کرو۔ آپ اپنے وسیع تجربہ کی بنا پر جانتے ہوں گے کہ اقتصادی معاملات میں محض جذبات سے کبھی کام نہیں چلتا، کیوں کہ دنیا کے لوگ عموماً اپنے فائدہ کا خیال مقدم رکھتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ باوجود ادعائے وطن پرستی کے سودیشی بائیکاٹ کی تحریکات میں ہنود تک کو کامیابی نہ ہوئی اور ملکی مصنوعات میں سے صرف انھیں اشیا نے رواج پایا جو باہر کے مال کے مقابلہ میں ارزاں اور بہتر تھیں، ایسی حالت ([illegible]) میں یہ توقع کرنا کہ مسلمان محض جذبات کی پیروی میں اپنے مالی نفع کا خیال نہ کریں گے بالکل بے جا ہے۔

(ب) بکری کا گوشت بمقابلہ گائے کے گوشت کے لطیف اور خوش ذائقہ ہوتا ہے، اس لئے باوجود مسلمہ کفایت کے جس سے ہر مسلمان گائے کی قربانی کر کے مستفید ہو سکتا ہے یہ دیکھا جاتا ہے کہ امرا اور رؤسا ہمیشہ بکری کو ترجیح دیتے ہیں، اس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ جب کوئی شخص گائے کی قربانی کرتا ہے تو اس کی وجہ زیادہ تر یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی مالی حالت سے مجبور ہو کر ایسا کرتا ہے۔

(ج) قربانی محض اللہ تعالیٰ کے تقرب اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے کی جاتی ہے اور ہر شخص مختار ہے کہ جس قسم کا جانور چاہے اس مقصد کے لئے ذبح کرے، لیکن اگر کوئی مسلمان جانور کے انتخاب کے وقت ہنود کی خوشنودی مد نظر رکھے اور بکری کو اس نیت سے ذبح کرے کہ اس کا یہ فعل ہنود میں، بنظر استحسان دیکھا جائے گا اور ان کے تقرب و باہمی اتحاد کا ذریعہ بنے گا تو یہ قربانی خالصاً اللہ نہ رہے گی اور شرعاً قابل قبول نہ ہوگی۔ اس لئے

ہم سے یہ توقع رکھنا کہ ہم ہنود کی رضاجوئی کی نیت سے بکری کی قربانی کر کے نہ صرف اپنا روپیہ برباد کریں گے بلکہ معاذاللہ مواخذہ دار بھی رہیں گے ایک فضول سی بات ہے۔

کیا اس توضیح سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قربانی سے ہمیں صرف (ص۔۱) خدائے واحد کی خوشنودی مد نظر ہے' نہ کہ کسی قوم کی دل آزاری۔ رہا جانور کا انتخاب' یہ ہمارے وسائل آمدنی پر منحصر ہے اور اس میں ہم شرعاً مختار ہیں' جس کے یہ معنی ہیں کہ صرف ہم اس بات کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں کہ آیا ہم گائے کی قربانی کریں گے یا اونٹ و بکری وغیرہ کی' اس میں کسی قسم کے دباؤ کو دخل نہ ہونا چاہئے' اور نہ کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ ہمارے دائرہ انتخاب کو محدود کرے یا ہمیں مجبور کرے کہ ہم اس کفایت سے فائدہ نہ اٹھائیں جس کی ہماری شریعت نے ہمیں اجازت دی ہے۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ جب ایک خاص جانور کے ذبیحہ کی ممانعت کر دی گئی تو ہم صاحب اختیار نہ رہے' جو ہمارے مذہبی حق میں ایک ناجائز مداخلت ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض ہنود کی جانب سے یہ کیا جاتا ہے کہ گائے کی قربانی سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے' لیکن حالات و واقعات پر غور کرنے کے بعد ہر انصاف پسند شخص یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ مسلمان اس معاملہ میں بالکل بے قصور ہیں اور اس سلسلہ میں' میں چند باتیں عرض کروں گا جو قابل غور ہیں۔

(الف) تمام سال لاکھوں گائیں ذبح ہوا کرتی ہیں اور ان کا گوشت شہروں اور بازاروں میں علی الاعلان فروخت ہوتا ہے' لیکن اس پر بلوے نہیں ہوتے' البتہ جب مسلمان گائے کو بقرعید کے

موقعہ پر ایک مذہبی رکن کی ادائگی کی نیت سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ذبح کرتے ہیں تو ہنود کو وجہ اشتعال (ص۔۱) ہوتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے ہم قوم ہمارے مذہبی اصول میں مداخلت کرنا چاہتے ہیں' ورنہ اگر محض انسداد گاؤ کشی ہی مقصود ہوتا تو تمام سال قصائیوں سے لڑتے پھرتے اور ہر گلی کوچہ میں آرہ و شاہ آباد کے مناظر دکھائی دیتے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ دل آزاری کی ابتدا ہماری جانب سے ہے یا آپ کی۔ ہم تو صرف خاموشی کے ساتھ اپنا مذہبی فرض ادا کرنا چاہتے ہیں اور ہنود ہمیں جبراً روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(ب) قربانی ہمارا مسلمہ شرعی حق ہے اور ہمیں اپنی شریعت کے مطابق کامل اختیار ہے کہ اس مقصد کے لئے جس جانور کو چاہیں ذبح کریں۔ پھر فرمائیے کہ زیادتی کرنے والا کون فریق ہے' وہ جو ہمارے مذہبی حق کو جبراً روکتا ہے یا وہ جو اس حق کے تقاضے سے جائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔

(ج) ہنود کی جانب سے یہ کہا جاتا ہے کہ گاؤ کشی سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے' اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ بکری کی قربانی کیا کریں۔ اس کے متعلق میں ایک نہایت موٹی سی مثال پیش کرتا ہوں اور آپ کی انصاف پسندی پر بھروسہ کر کے آپ ہی سے فیصلے کا خواستگار ہوں۔ فرض کیجئے کہ آپ کے گھر میں کئی دروازے درآمد برآمد کے ہیں اور آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ جدھر سے چاہیں باہر نکل کر جائیں' لیکن آپ کے گھر کے مشرقی دروازہ پر آپ کی عبادت گاہ ہے جہاں آپ ہر روز صبح کو یاد خدا

کے لئے جایا (ہ۔ و۔) کرتے ہیں۔ اس دروازہ کے پاس ایک مسلمان رہتا ہے اور وہ حسب ذیل دو اعتراضات آپ پر کرتا ہے۔

اول تو یہ کہ جب آپ صبح کو اپنے مشرقی دروازے سے نکل کر مندر جاتے ہیں تو محض اس خیال سے کہ آپ وہاں پہونچکر میرے خدائے واحد کے ساتھ جو میرا معبود ہے شرک کریں گے مجھے سخت روحانی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے اس دروازہ کو آپ مطلقاً استعمال نہ کریں بلکہ پچھم کی نکاس سے آمد و رفت رکھئے کیونکہ کہ آپ کے مذہب میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ فلاں دروازہ سے مندر کو جانا چاہئے۔ کیا آپ اس کے جواب میں یہ نہ کہیں گے کہ میاں مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ میں تمہاری توحید پرستی کے جذبات کا خیال کر کے قریب کا رستہ جسے استعمال کرنے کا مجھے کامل حق حاصل ہے چھوڑ دوں اور آٹا چکر لگا کر اپنی عبادتگاہ میں چوروں کی طرح جاؤں۔ رہی تمہاری روحانی تکلیف اس کا میرے پاس کچھ علاج نہیں ہے۔ میں تو اپنے معبودوں کی رضاجوئی کے لئے ان کے آگے سر جھکاتا ہوں، مجھے نہ تمہاری دل آزاری مقصود ہے نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ تم میرے ہم خیال بنو اگر تمہیں شرک سے ایسی ہی (ہ۔ م۔) نفرت ہے تو خواہ مخواہ صبح نکل کر مجھے دیکھتے ہی کیوں ہو؟ اگر یہ جواب آپ کا معقول ہے اور آپ باوجود متعدد دروازے ہونے کے بہ نظر سہولت اپنے حق درآمد برآمد کا نفاذ مشرقی دروازے ہی سے چاہتے ہیں تو پھر ہمارے گلے پر کیوں چھری چلائی جاتی ہے کہ ہم گائے کی قربانی کے جائز حق کو جو کم خرچ اور بالا نشین ہے، چھوڑ کر گراں قیمت بکرے ذبح کریں اور وہ بھی اس بنا پر کہ آپ گائے کو

دیوتا مانتے ہیں۔ یہاں پر یہ بھی ذرا خیال فرما لیجئے کہ اگر آپ کے حق کو جبراً روکنے کی کوشش کی جائے تو آپ کے قلب پر اس کا کیا اثر ہوگا؟

دوسرا اعتراض وہ مسلمان یہ کرتا ہے کہ مجھے آپ کی بت پرستی سے نہایت سخت روحانی تکلیف ہوتی ہے کیونکہ میری شریعت میں شرک کے برابر کوئی گناہ نہیں، اسلئے آپ میرے خدائے واحد کی عظمت کا خیال کر کے اینٹ پتھر کی عبادت سے باز آئیں اور ایسی لغو حرکتوں سے میری دل آزاری نہ کریں آپ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ مجھے تمہارے خدا سے کیا غرض، میں تو اپنے معبودوں کا قائل ہوں اور اپنے مذہب کے مطابق ان کی پرستش کروں گا۔ اگر آپ کا یہ جواب صحیح ہے تو پھر ہم سے کیوں کہا جاتا ہے کہ گائے کی قربانی سے جو ہمارے مذہب کی خصوصیات سے ہے، ہم اس بنا پر دست بردار ہو جائیں کہ اس حق کے نفاذ سے ہنود کے مذہبی جذبات کو صدمہ پہونچتا ہے "آنچہ بر خود نپسندی بر دیگراں مپسند" کا زریں اصول مسلمانوں کے حق میں کیوں نہیں برتا جاتا؟ آخر اس میں کیا قباحت ہے کہ ہندو لوگ گائے کو مقدس سمجھتے رہیں اور مسلمان آئے حسب دلخواہ قربانی کرتے رہیں "عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود" اب بھی آپ کے اور بہت سے معبود ہیں جو روزانہ ہمارے تصرف میں آتے رہتے ہیں اور ان پر کوئی چیخ پکار نہیں ہوتی۔ مثلاً آپ گنگا جو آپ کے ہم قوم، زمزمیوں میں بھر بھر کر سیکڑوں میل تبرکاً لے جاتے ہیں مسلمان اسی پانی سے حسب ضرورت (ہ۔ م۔) غسل و استنجے کا کام لیتے ہیں پیپل کے درخت کی آپ عبادت کرتے ہیں اور ہم اسے کاٹ کر جلا

ذاتے ہیں وغیرہ وغیرہ' پھر گئے ہیں کیا خاص بات ہے جو آپ لوگوں کو اس معاملہ میں اتنی کد ہے۔

(د) ایک اور بڑی دقت یہ ہے کہ اگر ایک بار یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ جس بات سے ہنود کی دل آزاری ہوتی ہو اس کو باوجود شعار اسلام ہونے کے ترک کر دینا چاہئے' تو ہمارے عقائد و اعمال میں سے کوئی چیز بھی ایسی نظر نہ آئے گی جس سے ان کو تکلیف نہ پہونچتی ہو۔ کفر و اسلام دو متضاد چیزیں ہیں اور ان کا اجتماع عقلاً محال ہے پھر کس کس مذہبی رکن سے ہم ہر روز دست برداری دیا کریں گے۔ وہ زمانہ دور نہیں ہے جب آپ کے ہم قوم جینی لوگ علانیہ یہ مطالبہ کریں گے کہ بھیڑ بکری کے ذبیحہ اور مطلق گوشت خوری سے ان کو روحانی صدمہ ہوتا ہے' اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ یہ دونوں باتیں چھوڑ دیں۔ آپ ہرگز یہ خیال نہ فرماویں کہ اس قسم کا اندیشہ میرے تخیل کا نتیجہ ہے کیونکہ ابھی چند ماہ کا واقعہ ہے کہ خود آپ نے ہیومنیٹیرن کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے اہل پنجاب کو ہر قسم کے جانوروں کو ذبح کرنے سے (چاہے وہ دودھ دینے والے ہوں یا نہ ہوں) ممانعت فرمائی ہے اور یہ نصیحت کی ہے کہ وہ محض بقولات پر زندگی بسر کیا کریں۔ جب آپ کا یہ خیال ہے تو ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کے تعصبات کا کیا ذکر۔

مہاتما جی! آپ کو یاد ہوگا کہ اسی مارچ کے ابتدا میں آپ نے "ینگ انڈیا" میں ہندو مسلم اتحاد پر ایک مضمون لکھا ہے جس کے آخر کے چند جملے حسب ذیل ہیں (منقول از الاڈی پنڈنڈ مورخہ ۲ مارچ سنہ [illegible])

"ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے باہمی رواداری ایک ضروری شے ہے۔ ہم امن و سکون کے ساتھ کبھی نہیں رہ سکتے' اگر ہنود مسلمانوں کے طرزعبادت اور ان (ص۔ ۵) کے رسم و رواج میں مداخلت کریں یا مسلمان' ہنود کی بت پرستی یا گئو پوجا پر بے صبری کا اظہار کریں۔ رواداری کے برتاؤ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس فعل کو پسند بھی کرتے ہوں۔ میں شراب خواری' گوشت خوری اور حقہ نوشی کو دل سے ناپسند کرتا ہوں لیکن پھر بھی میں ہندوؤں اور مسلمانوں اور عیسائیوں کی ان تمام باتوں پر سکوت کرتا ہوں اور ان سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ بھی میری پرہیزگارانہ زندگی پر خاموشی اختیار کریں گے' چاہے وہ اسے دل سے نہ پسند کریں۔ ہندو اور مسلمانوں کے تمام فسادات کی بنا یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے کو اپنی رائے بہ جبر منوانا چاہتا ہے"

اب آپ ہی اپنے الفاظ پر خود غور فرمائیں اور دیکھیں کہ خود آپ کے قائم کردہ اصول سے بھی مسلمان خطاوار ٹھہرتے ہیں یا نہیں۔ ہمیں تو اس سے سروکار نہیں ہے کہ آپ لوگ گائے کو مقدس سمجھتے ہیں یا نہیں۔ ہمارے لئے جو خیال تکلیف دہ ہے وہ صرف یہ ہے کہ آپ ہمیں اس بات پر مجبور کر رہے ہیں کہ ہم آپ کے معتقدات میں شریک ہوں اور ایک جانور کو جو ہمارے نزدیک محض انسان کے استعمال کے لئے پیدا کیا گیا ہے معظم سمجھیں' اور اس لئے ذبح نہ کریں کہ وہ آپ کا مسجود و معبود ہے۔ ہمارے مذہب کی تعلیم تو یہ ہے:-

'اے پیغمبر ان کافروں سے کہو کہ اے کافرو[1] نہ تو اس وقت'

۱ کلام مجید سورۃ الکافرون پارہ ۳۰ ۔ ترجمہ مولوی نذیر احمد دہلوی ۱۳

میں (تمہارے) اُن (معبودوں) کی پرستش کرتا ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو اور جس (خدا) کی میں پرستش کرتا ہوں تم بھی اس وقت) اس کی پرستش نہیں کرتے اور (آئندہ بھی) نہ (تو) میں (تمہارے) اُن (معبودوں) کی پرستش کروں گا جن کی تم پرستش کرتے (ص-۱۰۹) ہو اور نہ تم (ہی سے) توقع ہے کہ اس (خدا) کی پرستش کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں (تو پھر میرا تمہارا میل کیا) تم کو تمہارا دین اور مجھ کو میرا دین"

ہم اس سے زیادہ نہیں چاہتے کہ ہمیں باطل پرستی پر مجبور نہ کیا جائے جو ہمارے مذہب میں سخت گناہ ہے' ایسی حالت میں ہمیں آپ معذور سمجھیں اگر ہم اپنی شریعت کے احکام کے مطابق جس جانور کی قربانی چاہیں کریں آپ کو یا آپ کی قوم کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ایک جانور کی عظمت کا اقرار ہم سے جبراً کرائیں یا اس کے ذبیحہ کو اس بنا پر روکیں کہ آپ اُسے مقدس سمجھتے ہیں۔

مہاتما جی! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کو صرف آپ ہی کی قوم سے شکایت نہیں ہے بلکہ بعض اپنے اُن بھائیوں سے بھی ہے جنہوں نے ہنود میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی غرض سے یا اپنی مذہبی ناواقفیت کے باعث ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے یہ خیال پیدا ہو چلا ہے کہ حق گاؤ کشی منجملہ اُن شعائر دین کے ہے جن سے ہم پولیٹکل اتحاد کی خاطر دست بردار ہو سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں چند اس قسم کے لوگوں کے اقوال باطلہ نقل کر کے اُن کا تفصیلی جواب دونگا۔

(الف) ۲ نومبر سنہ ۱۹۱۳ء کے اخبار "لیڈر" میں مسٹر

مشیر حسین قدوائی نے ایک مضمون ہندو مسلمانوں کے اتفاق پر شائع کیا تھا' جس میں منجملہ اور باتوں کے یہ بھی لکھا تھا کہ "مسلمانوں کو از خود اجودھیا میں گائے کی قربانی بند کر دینی چاہئے کیونکہ اجودھیا ہندوؤں کا مقدس تیرتھ ہے اور وہاں گایوں کے ذبح ہونے سے اُنکی سخت دل آزاری ہوتی ہے۔ گائے کے بجائے بکروں کی قربانی کا آسانی سے انتظام کیا جا سکتا ہے اور ایک فنڈ قائم کیا جاسکتا ہے جس سے مسلمانوں کو اس زائد خرچ میں مدد دی جا سکتی ہے جو گایوں کی بجائے بکریوں یا بھیڑوں کی قربانی دینے سے اُن کو برداشت کرنا پڑے گا"

(منقول از اخبار ہمدرد' ۲۹ نومبر سنہ ۱۹۱۳ء)

(ب) اسی زمانہ یعنی آخر سنہ ۱۹۱۳ء میں مسٹر مظہرالحق کی یہ رائے تمام اخبارات میں شائع ہوئی کہ "میں اس امر سے پورے طور پر متفق ہوں کہ مسلمان کانپور اور اجودھیا میں گائے کی قربانی کرنے سے محترز رہیں"

(منقول از اخبار ہمدرد' ۲ نومبر سنہ ۱۹۱۳ء)

(ج) پچھلے سال بقرعید کے موقع پر مولوی فضل الحسن حسرت موہانی نے خود کٹار پور جا کر یہ کوشش کی کہ وہاں کے مسلمان ہندوؤں کی خاطر سے گائے کی قربانی ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں۔

(د) دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی سعی اور تحریک سے یہ رزولیوشن پاس کیا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ہندوؤں کے جذبات کا لحاظ کریں اور گائے کی قربانی از خود ترک کردیں۔

(منقول از انڈین ریویو' جنوری نمبر صفحہ ۲۰)

(۵) پچھلے سال حاذق الملک جناب حکیم اجمل خاں صاحب نے بہ حیثیت پریسیڈنٹ مسلم لیگ اپنے خطبہ¹ صدارت میں حسب ذیل گہر افشانی فرمائی ہے۔

''ہم اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ہمارے ملکی بھائیوں کے دل گائے کی قربانی سے زیادہ دکھتے ہیں' اس لئے ہمیں اس سے پہلے کہ انہیں کوئی جواب دیں یہ دیکھنا ہے کہ اس قربانی کے متعلق ہمارا مذہب ہمیں کیا رہنمائی کرتا ہے۔ ہمارے مذہب میں قربانی سنت ۲ ہے'' . . . . . . الخ

''اس جگہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ صرف مذہبی حیثیت سے بتاؤں کہ گائے کی قربانی سے دوسری قربانیاں زیادہ پسندیدہ ہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ'' :-

''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذارایتم ھلال (ص-۱۸) ذی الحجہ و اراد احد کم ان یضحی بالشاۃ'' الخ

''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب تم عیدالاضحیٰ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی بکری کی قربانی کرنا چاہے'' الخ - اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں علی العموم بکری کی قربانی کا رواج تھا' اس کے علاوہ دوسری حدیث بھی سن لیجئے' کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام (ارواحنا فداہ) ارشاد فرماتے ہیں کہ :- خیرالاضحیۃ الکبش³ یعنی قربانی کے جانوروں میں سے بھیڑ بہتر ہے۔ اگر ہم بھیڑ بکری کو عام طور پر قربانی کے لئے اختیار کر لینگے تو اس حدیث شریف

۱ مطبوعہ برقی پریس دہلی
۲ اس مسئلہ کی توضیح آگے آئے گی

پر بھی عمل کرینگے - میں اپنے دینی بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ٹھنڈے دل سے جو کچھ میں نے اس مسئلہ کے متعلق کہا ہے اس پر غور کریں اور جب وہ اس نتیجہ پر پہونچیں' جس پر کہ میں پہونچا ہوں' تو وہ اپنے طریق عمل سے بتائیں کہ وہ اس بڑی چیز 'اتحاد' کی کتنی قدردانی کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کی دل آزاری کو بھی نظر رکھ کر ان کے اتحاد کی طرف بڑھنے والے قدم کا کیا جواب دیتے ہیں - مجھ سے اگر سوال کیا جائے کہ اس مسئلہ کی طرف عملی قدم کسطرح اٹھانا چاہئے' تو میں سب سے پہلے یہ مشورہ دوں گا کہ ہندوؤں کے مقدس شہروں سے جیسے کاشی - اجودھیا - متھرا اور بندرابن ہیں اس کا آغاز کیا جائے اور ان شہروں میں جس قدر جلد ممکن ہوسکے' صرف دوسرے جانوروں کو قربانی کے لئے اختیار کیا جائے - اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے شہروں میں کل اس کوشش کا آغاز کیا جاویگا - میری یہ بھی رائے ہے کہ یہ کام اس وقت تک عملی صورت اختیار نہیں کر سکتا' جب تک کہ کوئی باقاعدہ جماعت اسے اپنے ہاتھ میں نہ لے اور جو جماعت اس خدمت کو (ص - ۱۹) اپنے ذمہ لینے کے لئے سب سے زیادہ موجودہ حالت میں موزوں ہے وہ 'مسلم لیگ ہے' اس لئے مناسب ہوگا کہ وہ اس اہم خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرے جسے امید ہے کہ وہ نہایت تدبر کے ساتھ سر انجام دیگی - مجھے امید ہے کہ مسلم لیگ کو خلافت کمیٹیوں اور ان کے سر گرم ممبروں سے اس مسئلہ میں کافی امداد مل سکتی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ خلافت کمیٹیاں اس نیک مقصد میں خوشی سے مسلم لیگ کو امداد دینے کے لئے آمادہ نظر آئینگی''

(و) مسٹرز محمد علی و شوکت علی نے اپنی نظر بندی سے رہائی کے بعد جو تقریریں میرٹھ، دہلی و دیگر مقامات پر کیں، ان میں مسلمانوں کو ترک گاؤ کشی کی ہدایت کی اور بیان کیا کہ ہم دونوں بھائیوں نے اس گوشت کو ہنود کی خاطر سے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔

(ز) مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کے تار، اخبارات میں شائع ہوئے جن کا یہ مضمون تھا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ گائے کی قربانی یک قلم موقوف کر دیں۔

مہاتما جی! مندرجہ بالا اشخاص میں سے بجز مولوی عبدالباری صاحب کے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو اصول فقہ سے کچھ بھی واقف ہو، اس لئے شریعت کی نگاہ میں ان کا شمار جہلا میں ہے اور دینی مسائل میں نہ ان کا قول قابل اعتماد ہے نہ ان کا فعل لائق تقلید۔ یہ مسلمانوں کی بد قسمتی ہے کہ اس وقت ہماری قوم کی باگ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جنہیں اسلامی تعلیم سے مطلقاً واقفیت نہیں، اور جو اپنی لیڈری کے نشہ میں شعائر اللہ کو پامال کرنے میں مطلقاً دریغ نہیں کرتے۔ در حقیقت ان مدعیان اتحاد کے اقوال ایسے لچر اور پوچ ہیں کہ ان پر مطلقاً توجہ کی ضرورت نہ تھی، لیکن چونکہ مولوی صاحب مذکور فرنگی محل کے مشہور خاندان علماء سے ہیں اور حکیم اجمل خان صاحب نے علم الابدان سے گذر کر جو ان کا آبائی پیشہ ہے علم الادیان کی طرف خاص (ص ۔ ۲) توجہ فرمائی ہے اور احادیث نبوی سے استدلال کیا ہے اس لئے آپ کی غلط فہمی دور کرنے اور عوام کو دھوکے سے بچانے کی غرض سے دو چار باتیں لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

(ا) ہمارے پیغمبر احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود اپنی اور اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی ہے اور آپ کی موجودگی میں بعض صحابہ رض نے بھی ایسا ہی عمل کیا ہے، چنانچہ اس دعوے کی تائید میں چند احادیث کا ترجمہ کر کے پیش کرتا ہوں۔

(الف) صحیح بخاری شریف و صحیح مسلم شریف و غیرھما کتب احادیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے اپنی بیبیوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔

(ب) حضرت[1] جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے روز حضرت عائشہ کی جانب سے گائے ذبح کی اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے حج میں اپنی بیبیوں کی طرف سے گائے ذبح کی۔

(ج) انہیں[2] صحابی رض (یعنی حضرت جابر رض) سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے سال، ہم نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی۔

(د) حضرت[3] ابن عباس رض سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے کہ بقرعید آگئی ہم نے قربانی کی اس طرح پر کہ گائے میں سات آدمی شریک ہوئے۔ الخ

ان سندات کے ہوتے ہوئے کوئی مسلمان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ گائے کی قربانی (ص ۔ ۲) خود جناب رسول خدا صلعم اور ان

۱ مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۲۲۳، باب الہدی من کتاب المناسک
۲ مشکوٰۃ شریف، ۲۲۳ باب الہدی من کتاب المناسک
۳ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۲۰ باب الاضحیہ

کے صحابہ رضہ کا معمول یہ رہا ہے اور یہ فعل کسی طرح غیر مستحسن نہیں ہو سکتا ۔

(۲) جناب حکیم اجمل خان صاحب کے ارشادات اس قسم کے ہیں کہ اگر آن کا مطبوعہ خطبہ صدارت میرے سامنے نہ ہوتا، تو میں شاید ان غیر مستند اور لغو اقوال کی نسبت بھی ہرگز ان کی طرف نہ کرتا ۔ سب سے پہلی فقہی غلطی آن کی یہ ہے کہ وہ قربانی کو محض سنت بتلاتے ہیں ۔ حالانکہ جمہور ائمہ مذہب[۱] مثل ابو حنیفہ و محمد* و زفر و الحسن* اور ایک روایت سے ابو یوسف* اس کو واجب بتلاتے ہیں ۔ کما فی الہدایہ[۲] الاضحیہ واجبہ' علی کل حر مسلم ۔ الخ ۔ اس میں شک نہیں کہ اس رکن کو سنت ابراہیمی بھی کہتے ہیں ۔ لیکن یہاں پر سنت کے معنے طریقے کے ہیں جو کسی طرح وجوب کے منافی نہیں اور اسی معنی میں امام ابو یوسف نے بھی اس لفظ کو استعمال کیا ہے جیسا کہ فتح القدیر[۳] کی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہے ۔

قولہ فانہا (الاضحیہ) سنہ' ایکم لا ینفی الوجوب لان السنہ' ہی الطریقہ فی الدین واجبہ' کانت او غیر واجبہ' ۔

خیر یہ تو ایک غلطی کہی جا سکتی ہے اور اگر حسن ظن سے کام لیا جائے تو یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ حکیم صاحب کو صحیح مسئلہ نہ معلوم ہوگا، لیکن سب سے بڑا غضب آنہوں نے یہ کیا کہ حضرت ام سلمہ رض والی حدیث میں لفظ شاۃ[۴] کا اضافہ کر کے اپنے

۱ کذا فی قاضی خاں جلد خامس صفحہ ۳۲۰

۲ صفحہ ۴۲۷ کتاب الاضحیہ مطبوعہ مصطفائی پریس

۳ صفحہ ۴۲۸ جلد ثامن باب الاضحیہ

۴ یعنی بکری

زعم میں بکری کی قربانی کی فضیلت ثابت کرنا چاہی ہے، جو ہرگز ایک مسلمان کے شایان شان نہ تھا ۔ اس حدیث (ص۔ ۲۲) شریف کی اصل عبارت حسب ذیل ہے ۔

عن[۱] ام سلمہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال اذا رایتم ہلال ذی الحجہ و اراد احد کم ان یضحی فلیمسک عن شعرہ و اظفارہ ۔

اس کے علاوہ ترمذی[۲] شریف میں بھی یہی روایت اس عبارت میں منقول ہے، عن ام سلمہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال من رای ہلال ذی الحجہ و اراد ان یضحی فلا یاخذن من شعرہ و لہ من اظفارہ ۔ ان تمام کتب میں شاۃ کا کہیں ذکر تک نہیں ہے ۔ کیا مسلمانوں کے لیڈر کی یہی شان ہونی چاہئے کہ وہ مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی انجمن کا پریسیڈنٹ ہو کر محض ہنود کی خوشنودی کی خاطر احادیث نبوی میں تصرف کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا پردازی کرے اور کیا ایسے شخص سے ہماری قوم کو کسی قسم کے نفع کی آمید ہو سکتی ہے ۔ دوسری حدیث (خیر الاضحیہ' الکبش) بھی مجروح ہے جیسا کہ ترمذی[۳] کے ابواب الصید والاضاحی کے اس عبارت سے ظاہر ہے، عن ابی امامۃ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر الاضحیہ الکبش و خیر الکفن الحلہ ۔ ھذا حدیث غریب و عفیر بن معدان یضعف فی الحدیث ۔ اس حدیث کے ایک راوی عفیر ابن معدان ہیں، جن کے غیر ثقہ ہونے میں کچھ بھی کلام نہیں ۔ کما فی المیزان الاعتدال مصری جلد ثانی صفحہ ۲۰۲ ۔

۱ جامع صغیر سیوطی، صفحہ ۳۵، مسلم شریف جلد ثانی صفحہ ۱۶۰

۲ جلد اول صفحہ ۱۹

جلد اول صفحہ ۱۹۳

۴ ترمذی و ابن ماجہ

عفیر بن معدان الحمصی المؤذن ابو عائذ عن عطاء و قتادۃ و سلیم بن عامر و عنہ ابوالیمان والنفیلی و جماعۃ۔ قال ابو داؤد شیخ صالح (ص - ۳۰۹) ضعیف الحدیث و قال ابو حاتم یکثر عن سلیم عن ابی امامۃ بما لا اصل لہ و قال یحییٰ لیس بشیٔ و قال مرۃ لیس بثقۃ و قال احمد منکر الحدیث ضعیف انہ یقدوالخاتمۃ''۔ یعنی عفیر بن معدان حمص کا رہنے والا موذن جس کی کنیت ابو عائذ ہے عطا اور قتادہ اور سلیم بن عامر سے روایت کرتا ہے اور اس سے ابو الیمان اور نفیلی اور ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ اس کی نسبت ابوداؤد کا قول ہے کہ وہ ایک شیخ صالح ہیں اور حدیث میں ضعیف ہیں اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ اکثر ابو امامہ[1] سے بواسطہ سلیم بے اصل روایتیں کرتے ہیں اور یحییٰ نے کہا ہے کہ وہ کچھ بھی قابل اعتبار نہیں اور مرہ نے فرمایا ہے کہ وہ غیر ثقہ ہیں اور امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہیں اور ضعیف ہیں۔

لہذا اب بخوبی ثابت ہو گیا کہ حکیم صاحب کے پیش کردہ احادیث جو انہوں نے بکری کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے تصرف کے ساتھ نقل کی ہیں، قابل توجہ نہیں برخلاف اس کے صحیح مذہب یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں میں سب سے افضل اونٹ ہے۔ پھر گائے پھر دنبہ پھر بکری۔ صحیح مسلم و صحیح بخاری کی ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر نمازیوں کی حاضری لیتے ہیں جو سب سے پہلے آتا ہے اس کو اونٹ کی قربانی کا ثواب ہوتا ہے جو اس کے بعد آتا ہے

1 واضح ہو کہ غیولا ضبہ الکبش۔ الخ۔ والی حدیث بھی ابوامامہ سے بواسطہ سلیم روایت کی گئی ہے۔

اس کو گائے کی قربانی کا بعدہ بکری۔ بھیڑ الخ۔ اس ترتیب ثواب نے صاف بتا دیا کہ گائے کی قربانی کا ثواب بھیڑ، بکری سے بہت زیادہ ہے۔ جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ وغیرہ میں متعدد ایسی حدیثیں موجود ہیں جن کی بنا، پر فقہائے کاملین و حضرات ائمہ مجتہدین نے بھی گائے کی قربانی کی افضلیت تسلیم کی ہے۔ امام نووی شرح میں فرماتے ہیں و مذہبنا و مذہب الجمہوران افضل الانواع البدنۃ ثم البقرۃ ثم الضان ثم المعز۔ حضرت (ب - ۲) شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اپنی مشہور تصنیف غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں و افضلہا الابل ثم البقر ثم الغنم۔ فتاوے عالمگیری میں ہے والبقر افضل من ست شیاہ یعنی گائے کی قربانی کا ثواب بکریوں کی قربانی سے چھ گنا زیادہ ہے۔ فتاوے قاضیخان جو حنفی مذہب کی مشہور و معتبر کتاب ہے اس میں بھی یہی ہے والبقر افضل من الذکر من المعز۔ یعنی گائے حصی سے افضل ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو گائے کی قربانی اونٹ سے بھی افضل ہے۔ جس قول سے غالباً عوام کو دھوکا ہو جاتا ہے وہ در مختار کی حسب ذیل عبارت ہے۔

الشاۃ افضل من سبع البقرۃ اذا استویا فی القیمۃ واللحم:— بکری بہتر ہے گائے کے ساتویں حصہ سے اگر قیمت اور گوشت دونوں میں برابر ہوں۔ علامہ شامی رد المختار میں لکھتے ہیں قولہ اذا استویا ۔۔۔ الخ فان کان سبع البقر اکثر لحماً فہو افضل والاصل فی ہذا اذا استویا فی اللحم والقیمۃ فاطیبہما لحما افضل و اذا اختلفا فیہما فا لفاضل اولی یعنی جب گائے کا ساتواں حصہ گوشت میں زیادہ ہو تو گائے ہی کی قربانی افضل ہے اور اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر

دو چیزیں جن کی قربانی جائز ہے قیمت اور گوشت دونوں میں برابر ہوں تو وہ چیز بہتر ہے جس کا گوشت زیادہ مزیدار ہو اور اگر دونوں قیمت اور گوشت میں برابر نہ ہوں تو جس میں گوشت زیادہ ہو، وہ بہتر ہے ظاہر ہے کہ جس قیمت کی بھی بکری خریدی جائے اسی زمانہ میں اسی کے سات گنا قیمت کی گائے میں ۱/۷ کا گوشت ایک بکری کے گوشت سے ضرور زیادہ ہوگا اس لئے ہم لوگوں کے لئے ہر طرح افضل اس وقت گائے ہی کی قربانی کرنا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ کفایت خود افضلیت کا ایک سبب ہے۔

(۳) رہا مولوی عبدالباری صاحب کا تار۔ اس کا سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ خود (م۔ ع) ان کے والد مرحوم مولوی عبدالوہاب صاحب اور ان کے استاد مولوی عبدالحئی صاحب نوراللہ مرقدہ اور دیگر علمائے فرنگی محل کا فتویٰ مجموعہ فتاوے مولوی عبدالحئی صاحب میں موجود ہے کہ ہنود کی خاطر سے قربانی گاؤ بند کرنا معصیت ہے۔ ناجائز ہے اور اس کا جاری رکھنا واجب ہے۔

(۴) مسٹر قدوائی اور ان کے ہم خیال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ چونکہ گائے کی قربانی سے ہنود کی دل آزاری ہوتی ہے اس لئے یہ قابل ترک ہے۔ ان حضرات کو شاید یہ نہیں معلوم ہے کہ ہمارے یہاں باطل پرستی کی رعایت خود گناہ ہے دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص کفار کو جلانے کے لئے ہی گائے کی قربانی کرے تو بھی معیوب نہیں خود ہمارے پیغمبر روحی فداہ نے اسی نیت سے حدیبیہ کی سال میں ابوجہل کا اونٹ ہدایا میں بھیجا تھا جیسا کہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۲۹ باب الہدی من کتاب المناسک کی مندرجہ ذیل روایت سے ثابت ہے و ہو ہذا۔

عن ابن عباس ان النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم اہدی عام الحدیبیۃ فی ہدایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جملا کان لابی جہل فی راسہ برۃ من فضۃ وفی روایۃ من ذہب یغیظ بذلک المشرکین۔

(رواہ ابوداؤد) یعنی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کی سال جو ہدایا بھیجے ان میں ابوجہل کا اونٹ بھی تھا، جس کے سر میں ایک حلقہ چاندی کا تھا اور بعض روایت میں ہے کہ سونے کا تھا۔ غرض اس اونٹ کے بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین دیکھ کر جلیں۔ واقعہ یہ ہے کہ شعائر دین کے علی الاعلان واقع ہونے سے اسلام کی شوکت ظاہر ہوتی ہے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ مشرکین کے جذبات کا مطلقاً لحاظ نہیں کیا گیا۔ میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ مسلمان بلا وجہ کسی کا دل دکھائیں اور ہنود کو دکھا کر قربانی کریں، کیونکہ اس میں فسادات بڑھیں گے جس کا (م۔ ع) انسداد خود اسلام کرتا ہے۔ میرا مقصد صرف اسقدر ہے کہ شعائر دین بلا روک ٹوک جاری رہیں اور ان میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔ بعض معترضین یہ کہتے ہیں کہ جب گاؤ کشی فرض نہیں ہے اور اس کے ترک سے ہنود خوش ہو جائیں گے تو اسمیں حرج ہی کیا ہے؟ اگر مسلمان من حیث القوم ذبح بقر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حلال خدا کو عملاً حرام ٹھیرا لینا شرعاً ناجائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ "یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک" یعنی اے نبی کیوں حرام کرتے ہو اس چیز کو جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے اپنی بیبیوں کی رضامندی کی خاطر۔

۱۔ سورۂ تحریم پارہ ۲۸۔

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: "المراد من هذا التحریم هو الامتناع عن الانتفاع بالازواج لا الاعتقاد کو اہ حراماً۔ اس تحریم سے مراد یہ ہے کہ بپاس خاطر ازواج انتفاع سے رکتا ہے نہ حلال خدا کو حرام اعتقاد کرنا" تفسیر کشاف میں ہے۔ لیس لاحد ان یحرم ما احل الله لان الله عز و جل انما احل الحکمته و مصلحته عرفها فی احلاله فاذا حرم کان ذالک قلب المصلحته مفسدة۔ یعنی کسی کو یہ حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام کرے (یعنی اس سے انتفاع سے روکے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال کیا کسی مصلحت اور حکمت سے حلال کیا ہے تو اس کو حرام کر لینا اس مصلحت کو فساد سے بدلنا ہے۔ اس جگہ پر دو نکتے قابل غور ہیں' اول یہ کہ حضور اقدس صلعم کے عقیدے میں (نعوذ باللہ) کوئی فتور نہ تھا کہ آپ حلال کو حرام جانتے تھے۔ تاہم محض اس وجہ سے کہ آپ کا طرز عمل ایسا تھا جس سے امتناع عن الانتفاع بالازواج کا شبہ ہوتا تھا خدا وند تعالیٰ نے اس فعل کو منع کیا اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اگر ہم گئے کی قربانی کو جائز بھی سمجھتے ہیں لیکن عملاً ترک کردیں تو بھی جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ جب ازواج مطہرات کی رضامندی کی خاطر ایسا طریق عمل اختیار کرنے کی (ص۔ ے۔ و) ممانعت کی گئی جس سے حلال خدا کو حرام سمجھنے کا خیال پیدا ہو تو پھر کفار و مشرکین کی خوشنودی کی خاطر یہ فعل کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

دوسرا واقعہ حضرت عبداللہ بن سلام رض کا ہے۔ یہ صحابی جس وقت یہودیت سے تائب ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو انہیں یہ خیال گزرا کہ توریت سے اونٹ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور قرآن پاک سے اس

کی حلت متحقق ہے' تو ایسی حالت میں کیا حرج ہے اگر احتیاطاً ہم اونٹ کا گوشت نہ کھائیں' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آن کی اس احتیاط کو نہایت سختی سے منع کیا اور یوں ارشاد فرمایا [1]: یا ایها الذین امنوا ادخلوا فی السلم کآفة ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین۔ ان دلائل اور نظائر سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ باوجود صحیح العقیدہ ہونے کے ایسے خطرات و خیالات یا طریق عمل جو مزاحم و منافی شریعت ہوں شیطانی وساوس ہیں کیونکہ ان سے عملاً شعائر اسلام کا ترک لازم آتا ہے اور یہ ممنوع ہے۔

مہاتما جی! جو کچھ میں نے اوپر عرض کیا ہے اس سے آپ کو یہ اندازہ تو ضرور ہو گیا ہو گا کہ گائے کی قربانی خود ہمارے پیغمبر صلعم نے کی ہے اور ہر حال میں بکری سے افضل ہے۔ ہم اس حق کو کفار کی دلجوئی کی غرض سے ہرگز نہیں چھوڑ سکتے نہ آنکی ذہنی دل آزادی کے خیال سے حلال خدا کو عملاً حرام ٹھہرا سکتے ہیں' گو ہمارا ہرگز یہ منشا نہیں ہوتا ہے کہ ہم بلاوجہ کسی کا بھی دل دکھائیں۔ رہے زمانہ ساز اور لامذہب سیاسی لیڈران قوم کے اقوال' آن کی وقعت اسلامی دنیا میں بالکل نہیں ہے اور نہ کوئی مسلمان دینی معاملات میں آن پر عمل کر سکتا ہے اس لئے میں جناب کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ جو غلط توقعات ان لوگوں کی تحریروں یا تقریروں سے آپکی قوم میں پیدا ہو رہی ہیں یک قلم (ص۔ ے۔ و) چھوڑ دینا چاہئے' ورنہ آئندہ چل کر یہی باتیں مزید بدمزگی کا باعث ہونگی اور عجب نہیں کہ ہمارے

۱ سورۂ بقر' پارہ دوم

پولٹیکل اتحاد کو ہمیشہ کے لئے ناممکن کر دیں۔ یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ خود اس قسم کی تحریکات کی مخالفت کریں اور اپنی قوم کو سمجھا دیں کہ مذہب کو سیاسیات سے بالکل الگ رکھا جائے' تاکہ جو کچھ آثار باہمی رواداری کے نظر آنے لگے ہیں وہ مضبوط بنیاد پر قائم ہوں اور سہل حوادث کا شکار نہ ہو جائیں۔

اب میں اس مسئلہ پر اقتصادی پہلو سے بھی کچھ گزارش کرنا چاہتا ہوں' کیونکہ اس تہذیب و شائستگی کے زمانہ میں جبکہ عام طور سے لوگ اپنے اغراض حاصل کرنے کے لئے ہر بات کو ملکی ہمدردی کا جامہ پہنایا کرتے ہیں ہنود نے بھی اس خاص معاملہ میں یہی طرز عمل اختیار کیا ہے ہم برابر دیکھتے ہیں کہ تعلیم یافتہ اشخاص جہلا کو تو یہ کہہ کر اشتعال دیتے ہیں کہ یہ مذہبی مسئلہ ہے اور خود قومی جلسوں میں اور کونسلوں میں اس قسم کی تحریکات پیش کرتے رہتے ہیں۔ کہ دودھ اور گھی کی گرانی کا اصلی سبب گاؤ کشی ہے' اس لئے اسے ملک کے نفع کی خاطر روک دینا چاہئے۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء میں آنریبل لالہ سکھبیر سنگھ نے ایک رزولیوشن ممالک متحدہ کی کونسل میں یہ پیش کیا تھا کہ گائے' بیل وغیرہ کے گوشت کی تجارت یک قلم موقوف کر دی جائے جو گورنمنٹ کی سخت مخالفت اور سرکاری کثرت آراء کی وجہ سے نامنظور ہوا۔

اسی دسمبر ۱۹۱۹ء میں خود آپ نے ہومینی ٹیرین کانفرنس کے پریسیڈنٹ کی حیثیت سے بنی نوع انسان کی ہمدردی کی آڑ میں حاضرین جلسہ سے حسب ذیل اپیل کیا ہے۔ "اگر آپ لوگوں کو میرا کچھ

۱ ملاحظہ ہو انڈین ریویو جنوری ۱۹۲۰ء نمبر صفحہ ۳۱

بھی خیال ہے تو آپ کو چاہئے کہ بقولات پر زندگی بسر کیا کریں اور ہر قسم کے جانوروں کی جان لینے سے پرہیز کریں۔ اہل پنجاب گوشت خور ہیں اور درحقیقت وہ دن نہایت (ص ۔ ۹۰) مبارک ہوگا جب وہ ساگ پات کے فوائد سے آگاہ ہو کر اس کی قدر کریں گے اس' کے بعد آپ نے اعضا پر تفصیلی تقریر کی اور حاضرین جلسہ کو نہ صرف دودھ دینے والے بلکہ ہر قسم کے مویشیوں کی جان بچانے کی نہایت سخت تاکید فرمائی' اسی طرح لالہ دولی چند چیرمین استقبالیہ کمیٹی نے اپنے خطبہ میں دودھ اور گھی کے کمیاب ہونے کی صرف یہی وجہ قرار دی کہ اس ملک میں گاؤ کشی کا رواج ہے اور اسی سلسلہ میں خود آپ نے کرسی صدارت سے اہل ہنود کی روحانی اصلاح کے لئے ایک نہایت طویل رزولیوشن پیش کیا جس کے ذریعہ سے ان مہنتوں' رشیوں' مہاراجگان اور والیان ملک کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اپنے مذہبی اثر سے یا حکماً رسم قربانی کے انسداد میں امداد کی تھی اور آئندہ کے لئے اس قسم کی کوششوں کے جاری رکھنے کی استدعا کی۔ آپ کے اس طرز عمل کی اس سے بہتر داد نہیں دی جا سکتی کہ میں ایک زخم خوردہ شاعر کے دو اشعار آپ کی خدمت میں عرض کروں۔

کماں جانب دیگراں مے کشند — مگر تیر بر جان ما مے زند
زہے عشوہ کز شوخی و چابکی — کجا می نماید کجا مے زند

اس کے بعد آنریبل مسٹر کھپارڈے نے مارچ ۱۹۲۰ء کے اجلاس امپیریل کونسل میں اقتصادی وجوہ کی بنا پر انسداد گاؤ کشی کا

۱ ملاحظہ ہو انڈین ریویو جنوری نمبر صفحہ ۳۱

سوال پھر اٹھایا اور بعض مسلمانوں کے ہندو مہربان نے اپنے اپنے صوبوں میں اس قسم کی کوششیں شروع کیں لیکن؛

به هر رنگے که خواهی جامه می پوش

من انداز قدت را می شناسم

مسلمان خوب سمجھتے ہیں کہ یہ ساری حیلہ بازیاں محض تعصب سے کی جا رہی ہیں' ورنہ جہاں تک ملک کی فلاح کا تعلق ہے اس سے انکار ہی نہیں ہو سکتا کہ گاؤ کشی ایک نہایت مفید (ص - ۳۰) چیز ہے جیسا کہ حسب ذیل دلائل سے بخوبی ثابت ہے۔

(۱) یہ امر مسلمہ ہے کہ عموماً وہی مویشی خوراک کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں جو بڈھے اور ناکارہ ہونے کی وجہ سے نہ تو افزائش نسل کے کام آ سکتے ہیں' نہ کھیتی کے اور جن کو ان کے مالک (جو زیادہ تر ہندو ہوتے ہیں) خرچ خوراک سے سبکدوش ہونے کی غرض سے قصائیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں۔ اگر یہ تمام جانور مقدس سمجھ کر پالے جائیں تو دس بارہ سال کے اندر ان کی تعداد کروڑوں تک پہونچ جائے گی جس سے حسب ذیل دو نتائج مرتب ہوں گے۔

(الف) چارہ جو اس وقت بھی گراں ہے مانگ کے بڑھ جانے سے اور زیادہ کمیاب ہو جائے گا اور اس کا یہ اثر ہو گا کہ کام کرنے والے مویشی جنہیں اس وقت بھی بافراط خوراک مشکل سے ملتی ہے بھوکے مرنے لگیں گے اور ان سے کھیتی اور افزائش نسل کے فوائد جو بحالت موجودہ حاصل ہوتے ہیں بہت کم حاصل ہو سکیں گے

یہ ممکن ہے کہ ان مویشیوں کی پرورش کے لئے لاکھوں بیگہ رقبہ جس میں اب غلہ پیدا ہو رہا ہے محض چری کی کاشت یا چراگاہوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے لیکن اس صورت میں اناج کی پیداوار میں کمی واقع ہوگی اور اس کا نرخ بہت بڑھ جائے گا جو انسانوں کے لئے ایک مصیبت عظیم ہوگی۔

(ب) کروڑہا مویشی کی خوراک کا بار ملک پر پڑے گا اور ان کی ذات سے کوئی نفع حاصل نہ ہوگا۔

(ص - ۳۰) (۲) گاؤ کشی کی بدولت اس قسم کے مویشی جو محض بیکار ہیں ملک کے لئے تمول کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مسلمان انہیں خوراک کے کام میں لاتے ہیں ان کا خشک کیا ہوا گوشت' ان کی کھالیں' ان کی چربی' ان کی ہڈیاں' ان کے سینگ' ان کا خون دیگر ممالک کو بھیجتے ہیں جن کی قیمت کا کروڑوں روپیہ ہمارے ملک میں آتا ہے اب کوئی علم الاقتصاد کا ماہر ہمیں یہ سمجھا دے کہ ان بے شمار مویشیوں کی برداشت کا بار ملک پر ڈالنا بہتر ہے خصوصاً جب نہ ان کے وجود سے بجز نقصان کے کچھ فائدہ نہیں یا ان کو ذبح کر کے ان کے جسم کے ہر جزو سے فائدہ اٹھانا۔

(۳) اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمان من حیث القوم گوشت خور ہیں اور اس لئے یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ گائے کا گوشت کروڑوں نفوس کی غذا ہے اس گرانی کے زمانے میں بھی اس کا نرخ ایک آنے سے لیکر دو آنے سیر تک ہے۔ میں نہایت مشکور ہوں گا اگر آپ مجھے کسی اور حلال جانور کا نام بتادیں

جس کا گوشت اس قدر ارزاں دستیاب ہو سکتا ہو اور جب یہ نہیں ہے تو پھر ہماری مفلس قوم کے لئے آپ نے کیا خوراک تجویز فرمائی ہے۔ بکری کا گوشت تو دس آنے فی سیر ہے اور بجز ہنود اور مسلمان امراء کے کوئی اس سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ رہیں دالیں اور ترکاریاں تو اُن پر اول تو ہمارا گزر نہیں ہو سکتا دوسرے ان کی گرانی بجائے خود ان کے ترک یا کمی استعمال کی کافی وجہ ہے اور جب سات کروڑ مسلمان ان چیزوں کی (ص - ۳۳) خریداری میں ہندوؤں کے شریک ہو جائیں گے تو مقابلہ کی وجہ سے اُن کا نرخ بھی دوبالا ہو جائے گا۔ یہ کہاں کی کفایت شعاری ہے کہ ایک کم قیمت اور عمدہ غذا کو چھوڑ کر محض ہنود کے جذبات کی خاطر مسلمان اپنا روپیہ برباد کر دیں اور بقولات پر زندگی بسر کریں۔

(ہ) ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں قصاب آباد ہیں جن کا گذر گوشت و چمڑے وغیرہ کی تجارت پر ہے اور اسی کی بدولت ان میں بیشتر خوشحال اور مشغول ہیں۔ اگر گاؤ کشی بند کردی گئی تو اتنی بڑی تعداد مسلمانوں کی اک دم سے مفلس اور بیکار ہو جائے گی کیونکہ ایک قوم کی قوم کے لئے یہ عملاً ناممکن ہے کہ وہ اپنے آبائی پیشہ کو چھوڑ کر کوئی نیا کام سیکھے۔

(و) انسداد گاؤ کشی سے جوتہ - چرس - بستر بند - ہینڈ بیگ و جملہ سامان چرمی نہایت گراں ہو جائے گا جو کسی طرح ملک کے لئے مفید نہیں ہے۔

مہاتماجی! جہاں تک میں نے اس مسئلہ پر غور کیا ہے میری قطعی رائے یہ ہے کہ گاؤ کشی اس ملک کے لئے ایک خدا کی رحمت ہے کیوں کہ

(الف) اس کی بدولت آپ کے ہم قوم کروڑوں روپیہ کے ناکارہ مویشی قصائیوں کے ہاتھ بیچ لیتے ہیں۔

(ب) ملک پر ان بیکار مویشیوں کی خوراک کا بار نہیں پڑتا۔

(ج) غریب مسلمان سستے داموں گوشت کھاتے ہیں اور (ص - ۳۳) بیشتر ان کی خوراک کا بار دال و ترکاری پر نہیں پڑتا جس سے ہنود کو یہ فائدہ ہے کہ یہ چیزیں کمی مقابلہ کی وجہ سے نسبتاً ارزاں قیمت پر ملتی ہیں۔

(د) لاکھوں قصاب گوشت و چمڑے وغیرہ کی تجارت سے روزی کماتے ہیں اور ہمارے ملک کو دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔

(ہ) اسباب چرمی ملک میں سستا فروخت ہوتا ہے۔

کیا ان بدیہی دلائل کے ہوتے ہوئے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے کہ اقتصادی پہلو سے گاؤ کشی ایک نہایت ضروری چیز ہے اگر مویشی شماری کے اعداد پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر قسم کے مویشیوں کی تعداد سال بسال برابر بڑھتی چلی جاتی ہے سنہ [illegible]ء میں بیلوں کا شمار دو کروڑ [illegible] لاکھ [illegible] ہزار تھا۔ سنہ [illegible]ء میں یہ تعداد بڑھ کر [illegible] کروڑ [illegible] لاکھ [illegible] ہزار تک پہونچ گئی۔ اسی مدت میں گایوں کی تعداد دو کروڑ [illegible] لاکھ [illegible] ہزار سے ترقی

کم ہو کے ۳ کروڑ ۶۰ لاکھ ۱۰ ہزار ہو گئیں ۔ بھینسے ۲۴ لاکھ دو ہزار کے بجائے ۵۵ لاکھ ۱۸ ہزار ہو گئے ۔ بھینسیں ۴۸ لاکھ ۵۴ ہزار سے ایک کروڑ ۲۷ لاکھ ۳ ہزار ہو گئیں ۔ گائے بھینسوں کے بچے جو ایک کروڑ ۸ لاکھ ۲۴ ہزار تھے ۲۰ سال کے اندر چار کروڑ ۲۸ لاکھ ۲۱ ہزار ہو گئے ۔ ان اعداد میں بکریاں شامل نہیں ہیں جو در حقیقت دودھ دینے والے جانوروں میں شمار ہوتی ہیں ۔ سنہ ۱۹۰۷-۸ میں سارے ملک میں جانوروں کا شمار ۱۴ کروڑ ۸۰ لاکھ تھا مگر دس سال بعد ۱۹۱۶-۱۷ میں ۱۴ کروڑ ۱۰ لاکھ ہو گیا ۔ گائے بھینس بیل بچھڑے وغیرہ اس دس سال کے عرصہ میں ۹ کروڑ ۲۰ لاکھ سے بڑھ کر ۱۰ کروڑ ہو گئے ۔

مندرجہ بالا اعداد سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ہر قسم کے دودھ دینے والے (ص ۔ ۴۴) یا کاشتکاری کے جانور ۲۰ سال کے عرصہ میں تقریباً دگنے ہو جاتے ہیں حالانکہ انسانوں کی آبادی بہت دھیمی رفتار سے بڑھ رہی ہے ۔ رہی دودھ اور گھی کی گرانی یہ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی جانتا ہوں کہ اس کے اسباب بالکل جدا ہیں ۔ ضروریات زندگی آج کل عموماً گراں ہیں اور جب کوئی چیز بڑے داموں پر نہیں ملتی ہے تو یہ توقع کرنا کہ گھی ہمیشہ سستا رہے بالکل فضول ہے ۔ اس گرانی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ افزائش دولت کے سبب سے دیہات کے لوگ جو پہلے دودھ اور گھی کو ایک آمدنی کا ذریعہ سمجھتے تھے اب کثرت کے ساتھ خود استعمال کرنے لگے ہیں اور یہ چیزیں اب شہر کے بازاروں میں نسبتاً کم آتی ہیں ۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے

تجارتی شہروں میں ڈیریاں کھولی گئیں لیکن یہاں چارہ کی دقت اور غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے یہ تجارت پیشہ لوگ گراں قیمت پر دودھ اور گھی بیچنے پر مجبور ہوئے ۔ علاوہ ازیں نقل و حرکت کی آسانیوں کی وجہ سے جو ریل نے پیدا کر دی ہیں ہزاروں من گھی سالانہ ایک حصہ ملک سے دوسرے حصہ میں جاتا ہے اور تجارتی اصول پر منافع کے ساتھ بیچا جاتا ہے کلکتہ ۔ بمبئی ۔ مدراس و دیگر بڑے بڑے شہروں میں مارواڑیوں کی سینکڑوں ایجنسیاں اس تجارت میں مشغول ہیں ۔ کروڑوں روپیہ کا نفع اٹھا رہی ہیں ۔ در حقیقت یہ سب اقتصادی ترقی کے ثمرات ہیں اور یہ سخت ناانصافی کی بات ہے کہ اس گرانی کا الزام غریب مسلمانوں کے سر تھوپا جائے ۔ اگر واقعی گاؤ کشی ہی گرانی کا باعث ہوتی تو شاہی زمانہ میں جبکہ تازہ ولایت مسلمان اس گوشت کو زیادہ مقدار میں استعمال کرتے تھے اور ذبیحے بھی بلا روک ٹوک ہوتے تھے گھی بہت ہی کمیاب ہو جاتا حالاں کہ اس وقت کی ارزانی اب تک ضرب المثل ہے ۔ کیا آپ کی رائے میں مویشیوں کی کمزوری کا یہ سبب نہیں ہے کہ ہندو زمینداروں نے اپنے مواضعات کی چراگاہوں کو ذاتی (ص ۔ ۲۰) نفع کے لئے مزروعہ کر ڈالا ہے اور اب بجز کھادر کے جانوروں کے کھڑے ہونے تک کی جگہ نہیں رہی اور کیا افزائش نسل میں اس بات سے رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی کہ گایوں کے مالک جو زیادہ تر ہندو ہیں طمع نفسانی کی وجہ سے تھوڑا تھوڑا کر دودھ نکال لیتے ہیں اور بچوں کے لئے اتنا بھی نہیں چھوڑتے کہ ان کا پیٹ بھر سکے ۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ ان

واقعات کے ہوتے ہوئے بیچارے مسلمانوں کو ملزم ٹھہرانا کہاں تک زیبا ہے۔ ہمارا جو کچھ قصور ہے وہ صرف یہ کہ ہم اکثر وقتہ جانوروں کو آپ کی قوم سے خرید کر ان کی جیبیں روپوں سے بھرتے ہیں اور ان کو ذبح کر کے اپنی قوم اور ملک کی دولت کو بڑھاتے ہیں۔

ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ جب ہنود ہر قسم کے دلائل سے عاجز ہو جاتے ہیں تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ جیو ہنسا کسی حال میں جائز نہیں ہو سکتی در حقیقت یہ لوگ خود اپنے مذہب کی تعلیم سے ناواقف ہیں ورنہ اس اعتراض کی کبھی نوبت نہ آتی۔ اس کا جواب[1] خود منوجی نے اس طرح دیا ہے کہ جو ذبح اس دنیا میں وید کے حکم کے مطابق ہے اس کو ظلم و ہنسا نہ جاننا چاہئے کیونکہ وید ہی سے ذبح کرنا جائز ٹھہرایا گیا ہے۔ (ادھیا ۵ اشلوک ۴۴)

دھرم شاستر میں ہے کہ جو حیوان منتر پڑھ کر شاستر کے حکم کے موافق ذبح کیا جائے اس کو براہمن ہمیشہ کھائے اور جو بغیر منتر کے مارا جائے اس سے پرہیز کرے۔ (ادھیا ۵ اشلوک ۳۶) اسی مقدس کتاب میں یہ بھی تحریر ہے کہ شاستر کی رو سے جو گوشت کھانے جائز ہیں ان کو جو شخص نہیں کھاتا وہ اگلے جہان میں اس جرم کے عوض ۲۱ دفعہ حیوان بنتا ہے (ادھیا ۵ و ۵ اشلوک ۳۵) ہنود کی تاریخ شاہد ہے کہ خود رام چندر جی اکثر ہرن کا شکار تیر و کمان سے کھیلا کرتے تھے اور کوئی مہاتما آج بھی ان کے اس فعل کو برا نہیں

(۱) ماخوذ از مسلح مسئلہ سید نصرت علی صاحب ۱۳ ۔

کہتا۔ شاستر میں قربانی کا ذکر شد و مد (ص ۔ ۲۰) سے ہے اور اس کی بہت تاکید کی گئی ہے الفنسٹن صاحب کی تحقیقات کے بموجب جو اہل ہنود کے مسلمہ مذہبی کتب پر مبنی ہے بیل کے گوشت کی بہت فضیلت آئی ہے اور اس جانور کی قربانی میں سب سے زیادہ ثواب ہے۔ مہابھارت میں ہے کہ راجہ رنتی دیو نے اپنے یگ میں گائے کی قربانی کی۔ علاوہ اس کے وید مقدس میں کمال تفصیل سے قربانی کے احکام لکھے گئے ہیں۔ خصوصاً رگ وید یجروید کی وضع ہی اس لئے ہے کہ وہ قربانی کے وقت پڑھے جائیں براہمنہ میں قربانی کے طریقہ اور جزوی احکام مفصل مرقوم ہیں اور یہ وہ کتابیں ہیں جنہیں ہنود الہامی سمجھتے ہیں اور جن پر ان کے مذہب کی بنا ہے۔ انڈو آرین میں مسٹر راجندر و لال مترا ایل ایل ڈی سی آئی ای لکھتے ہیں کہ ہنود میں قدامت سے مختلف قسم کی قربانیاں جاری تھیں اور انہیں گوشت کی بہت ضرورت ہوتی تھی اسی واسطے ہر قسم کے جانور ایک کثیر تعداد میں مہیا کئے جاتے تھے اور ہر دیوتا کے لئے الگ الگ جانور قربانی کے لئے مقرر تھے جو حسب قاعدہ ذبح کئے جاتے تھے چنانچہ مصنف مذکور یجروید کے براہمنہ سے ثابت کرتے ہیں کہ مختلف دیوتاؤں کے لئے کس کس طرح کی قربانی مقرر تھی جہاں پر میں نہایت اختصار کے ساتھ قربانی و ذبح بقر کے فضائل جو ہنود کی مسلمہ کتابوں سے ماخوذ[1] ہیں درج کرتا ہوں۔

(۱) جو قربانی نہیں کرتا وہ اس جہان اور اس جہان

(۱) ماخوذ از کتاب مولوی معین الدین صاحب پروفیسر الفنسٹن کالج ۔ بمبئی

دونوں سے محروم رہتا ہے (بھگود گیتا[1] و شانتی پروہ)

(۲) برہمن ۔ کشتری اور ویش کو ضرور قربانی کرنی چاہئے ۔ (شانتی پروہ)

(۳) انسان کے ساتھ قربانی کو پیدا کر کے برہما نے ہدایت کی کہ لو یہ قربانی تمہاری مرادیں پوری کرنے والی ہے ۔

(ص ۔ ۳) یدنیہ[1] کرو اور پھولو پھلو ۔ یدنیہ کر کے تم دیوتاؤں کو نذرانہ دو اور دیوتا تمہیں برکت دے کر نہال کریں ۔

(۴) جو برہمن وید شاستر کے حکم کے مطابق قربانی کرتا ہے ہرگز اس کو گناہ نہیں ہوتا اور اس کا درجہ قربانی کرنے سے بڑھتا ہے اور وہ ذبیحہ کے ساتھ ساتھ بہشت میں جا پہونچتا ہے ۔

(۵) جہاں جانور قربان کیا جاتا ہے اس جگہ کو بہشت کہنا چاہئے ۔ (یجر وید)

(۶) تمام حیوانات اور انسان درخت اور نباتات سب کے سب بہشت میں جانے کے آرزو مند ہیں اور بہشت بغیر قربانی کئے حاصل نہیں ہوسکتی ۔

(۷) دیوتا یدنیہ سے خوش ہو کر تمہاری مرادیں پوری کرتے ہیں جو کوئی تم میں سے دیوتاؤں کے عطیہ کے شکریہ میں یدنیہ نہ کرے اس کو خدائی چور کہنا چاہئے ۔ (بھگود گیتا)

(۸) برہمنوں ۔ کشتریوں اور ویشوں کو اناج اور گوشت

(۱) یدنیہ کے معنی قربانی کے ہیں ۔

نہ کھانا چاہئے جب تک قربانی کر کے اناج کی پوجا نہ کر لیں ۔

(۹) سمرتی میں مذکور ہے کہ بہشت حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ قربانی کرنی چاہئے اور جس مراد کے حاصل کرنے کے لئے قربانی کرے اس کو پہلے ٹھہرا لینا چاہئے ۔ (شانتی پروہ)

(۱۰) بھیڑ ۔ بکری ۔ گئے ۔ گھوڑا اور پرند اور آبادی اور جنگل کی نباتات سب کے سب انسان کی خوراک ہیں ۔ (وید خوانی)

(ص ۔ ۳۰) (۱۱) جو لوگ یدنیہ کا بچا کھچا نوالہ کھا کر زندگی بسر کرتے ہیں وہ "گویا" امرت نوش کرتے ہیں اور ابدی عالم برہما میں جگہ پاتے ہیں اور جو کوئی یدنیہ نہیں کرتا وہ دونوں جہان کی برکت سے محروم رہتا ہے (بھگود گیتا)

(۱۲) منو کا حکم ہے کہ جانور چار موقعوں پر حلال کئے جائیں ۔

(الف) مدھو پرکہ کے لئے ۔

(ب) قربانی کے وقت ۔

(ج) دیوتاؤں کو نذرانہ دینے کے لئے ۔

(د) شرادھ کے وقت ۔

(۱۳) راجہ جنک نے شونک اچاریہ کے حضور میں مدھو[1] پرک معہ گائے کے پیش کیا۔ (شانتی پروہ)

(۱۴) راجہ ارجن سہرا باھو نے وسشٹ رشی کے حضور میں مدھو پرک مع گائے کے پیش کیا (راماین)

(۱۵) یودھشٹر نے نارادا رشی کی خدمت میں مدھو پرک مع گائے کے پیش کیا (سبھا پروہ)

(۱۶) راجہ جراسندھا نے مہمانوں کو دستور کے موافق مدھو پرک مع گائے کے دیا (سبھا پروہ)

(ص - ۹۰) (۱۷) پرھلاد راجہ نے سدھنوا رشی کی خدمت میں مدھو پرک مع ایک فربہ گائے کے پیش کیا۔ (ادیوگ پروہ)

(۱۸) راجہ رنتی دیو نے صرف گائے کی قربانی کی اور اتنی گائیں ذبح کیں کہ ان کے خون کی ایک ندی بہ نکلی جس کے کنارے انھیں کے کھالوں کے بن گئے اور اسی سے وہ ندی چرمن[2] وتی کہلائی۔ قربانی سے بچی کھچی گائیں رنتی دیو نے دان کیں (انو پروہ)

(۱) مدھو پرک ایک قسم کے کھانے کا اسم ہے جو شہد اور دہی وغیرہ اجزا کو ملا کر مہمانوں کے لئے تیار کیا جاتا تھا اس کے ساتھ گائے یا بیل کا گوشت لازمی تھا گائے جانوروں میں سب سے زیادہ متبرک گنی جاتی تھی اس لئے مہمان کی عزت افزائی کے لئے گائے ذبح کی جاتی تھی قدیم سنسکرت میں گو گھنا مہمان کے لئے مستعمل تھا یعنی ایسا معزز شخص جس کے لئے گائے ذبح کی جائے۔

(۲) یہ چرمن وتی ندی جو گائے کی قربانی کے خون سے بہہ نکلی تھی ایسی متبرک ہوئی کہ اس کا درجہ گنگا کے برابر قرار دیا گیا اور سنسکرت کے شعرا کے نزدیک بھی متبرک کی سنسکرت اور مہابھارت کے برابر رہتی ہے اس ندی میں غسل کرنے کا ثواب یہ ہے کہ بہشت ملتی ہے (سبھا پروہ)

(۱۹) رنتی دیو کے باورچی خانہ میں روزانہ دو ہزار جانور ذبح ہوتے تھے علاوہ ان کے دو ہزار گائیں بھی روزانہ کاٹی جاتی تھیں۔ یعنی راجہ ہمیشہ گوشت والا کھانا لوگوں کو کھلایا کرتا تھا اور اس سبب سے اس کی مہمان داری کی بیحد شہرت تھی۔

(۲۰) وید پرست آریوں میں گائے کی قربانی کی اتنی عظمت تھی کہ بڑے بڑے ثواب کے کام کو گائے کی قربانی سے تشبیہ دیا کرتے تھے مثلاً۔

(الف) جو کوئی آٹھویں دن اشٹکہ کھا کر ایک سال گزار دے اس کو اتنا ثواب ملتا ہے جیسا کہ گائے کی قربانی کا (انو پروہ)

(ص - ۲۸) (۲۱) رام مہاراج نے متواتر اشومیدھ اور واجپے یہ قربانیاں کیں جن میں بہت دولت خرچ کی ان کے علاوہ اگنشٹومہ وغیرہ اور گوسیوا (گائے کی قربانی) اور اور اقسام کی قربانیاں کیں اور ان میں بہت دولت لٹائی اور بہت دکشنہ دی (راماین)

(۲۲) یودھشٹر نے پوچھا کہ بزرگوں کے شرادھ میں کونسا کھانا ہے جس کا ثواب جاری رہتا ہے بھیشم نے کھانوں اور گوشتوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے گائے کے گوشت کا ثواب ایک سال کا بتایا۔ (انو پروہ)

(۲۳) گائے کے گوشت کھانے کا ثواب ایک سال کا ہے۔ (منو ۳)

(۲۴) رام نے گوشت قیمہ کر کے شرادھ کیا۔ (راماین ۲ - ۹۳)

(۵۸) راجہ اکشواکو (بانی سورج بنس مورث اعلیٰ رام مہاراج) نے شرادھ کے لئے گوشت منگوایا - (بھاگوت - ۹)

(۵۹) جب بھرت مہاراج رام کو منانے کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں بھردواج مہاراج نے آپ کی اور ان کی فوج کی دعوت کی - سب بہشتی سامان عیش و عشرت کا جو دنیا میں راجاؤں کو بھی میسر نہیں آسکتا موکلوں (ب - ۹۱) نے لا حاضر کیا - ہر طرف صدائیں سنائی دیتی تھیں کہ اے پیاسو سرا (بہشتی شراب) پیو جتنی پی سکو - اے بھوکو لو یہ قسما قسم کے پاکیزہ اور مزیدار گوشت کھاؤ جتنا کھا سکو (رامائن - ۲)

(۶۰) بسشٹھ کہتے ہیں کہ امرت - برھمن اور گائے یہ تینوں ایک ہی ہیں اس لئے گائے اور برھمن کی پوجا کرنی چاہئے لیکن پرمیشور کے حکم کے مطابق ذبح کی ہوئی گائے کا گوشت کھانے میں کوئی گناہ نہیں مگر ناجائز گوشت کھانا ایسا ہے جیسا کہ اپنے بچے کا گوشت کھانا (انو پروہ صفحہ ۱۶۹)

مندرجہ بالا اقتباسات اور وید کے احکام سے بخوبی ثابت ہے کہ ہنود میں ہمیشہ گوشت کھانے اور جانوروں کو ذبح کرنے کا رواج تھا اور گائے کا گوشت کھانا اور کھلانا تو عبادت کے درجہ پر سمجھا جاتا تھا -

مہاتماجی یہ تو بخوبی واضح ہو گیا کہ قربانی مسلمانوں کے مذہب میں واجب ہے اور اس رکن کی ادائگی کے لئے گئو کا انتخاب اس کی ارزانی و افضلیت کی باعث کیا جاتا ہے نہ کہ کسی کی دل آزاری کے لئے - رہی مطلق گئو کشی اس کے متعلق متعدد دلائل سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ نہ صرف اس کی

ترویج اقتصادی پہلو سے اس ملک کے لئے نہایت ضروری ہے بلکہ قدیم الایام میں خود ہنود اس جانور کو اپنے معزز مہمانوں کی دعوت کے لئے ذبح کیا کرتے تھے - ان حالات کو دیکھ کر قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آخر کیا سبب ہے کہ آپ کے ہم مذہب اس مسئلہ میں مسلمانوں سے دست و گریباں ہیں مجھے آپ معاف کریں گے اگر میں اس کے متعلق ایمانداری کے ساتھ اپنے اور اپنے اکثر بھائیوں کے (ص - ۹۰) خیالات کا اظہار کروں تا کہ یہ بات معرض بحث میں آ کر ایک بار طے ہو جائے -

اس سے غالباً آپ بھی انکار نہ کرینگے کہ تعلیم یافتہ ہنود میں حب الوطنی کے جذبات بہت نمایاں ہیں جس کی وجہ سے ان پر نیشنلزم کا نہایت گہرا اثر ہے لیکن عوام کے طبقہ کو رسوم کی پابندیوں اور لا یعنی قیود میں اس درجہ انہماک ہے کہ ان میں بحالت موجودہ اتحاد عمل پیدا ہونا ناممکن ہے - ایسی حالت میں ان میں اخوت پیدا کرنے کا ذریعہ بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ گئو پرستی کو ایک مذہبی مسئلہ قرار دیکر مسلمانوں کے خلاف تعصبات کی آگ اٹھائی جائے تاکہ ناخواندہ پبلک بھی غرض مشترک ہونے کے سبب سے متحد اور متفق ہو جائے - یہ حکمت عملی بہت کچھ کامیاب ہوئی اور جس طرح اردو ہندی کے جھگڑے نے پنڈت مدن موہن مالوی کے زیر حمایت کچھ شد بد کرنے والے ہندوؤں کو ہماری مخالفت پر آمادہ کر دیا اسی طرح گئو کشی کے مسئلہ نے ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کو ہمارا دشمن جانی بنا دیا - ہم یہ

نہیں کہتے کہ ہماری تھیوری بالکل صحیح ہے لیکن یہ بات اب چھپانے کی حد سے گزر گئی ہے کہ اکثر مسلمانوں کی رائے ان ہر دو مابہ النزاع مسائل کے متعلق یہی ہے کہ ان کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ غیر تعلیم یافتہ یا معمولی استعداد کے ہنود جو بحالت موجودہ وطن پرستی کے خیالات سے متاثر نہیں ہو سکتے ان کے مذہبی جذبات بھڑکا کر قومیت کا رنگ چمکایا جائے۔ آپ کے نقطۂ خیال سے یہ طریق عمل کتنا ہی مستحسن کیوں نہ ہو لیکن اس سے آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ زبان کے مسئلہ نے رفتہ رفتہ ایک پولیٹیکل صورت اختیار کر لی اور گاؤ کشی مذہبی مناقشات کا سنگ بنیاد بنکر رہ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو مسلم اتحاد جیسے ضروری مسئلہ کو اکثر اہل الرائے خواب پریشان سے تعبیر کرنے لگے یہ اسی قسم کی اشتعال انگیز تحریکات کا اثر تھا کہ آرہ و شاہ آباد میں ہزاروں مسلمانوں پر ستم توڑا گیا بہت سے بے گناہوں کو شہید کیا گیا ان کے خاندانوں کی آبرو ریزی (ص ۔ ۳۴) کی گئی کئی روز تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا مسجدیں مسمار کی گئیں قرآن پاک چاک کر کر جلائے گئے اور یہ سب کس نے کیا صرف جہلا نے نہیں بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے اشخاص نے اس کے بعد کتار پور کا واقعہ لیجئے یہاں جو درد انگیز مظالم ہمارے غریب بھائیوں پر کئے گئے ان کی نظیر زمانہ حال میں ملنا دشوار ہے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ مہذب مہنت میونسپل سکریٹری اور گورنمنٹ کے ذمہ دار ہندو حکام نے انسداد قربانی کی سازش میں شرکت کی جس کی بدولت

نہایت شدید بلوہ ہوا کئی درجن مسلمان زندہ جلائے گئے ان کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کی گئی ان کے مکانات تباہ کئے گئے اور یہ سب کیوں ہوا محض اس لئے کہ ہمارے غریب بھائیوں نے یا تو اپنے افلاس سے مجبور ہو کر یا بنظر کفایت قربانی کے لئے گائے کا انتخاب کیا تھا کیا اس سے یہ صاف ظاہر نہیں ہے کہ آپ کے ہم قوم ہمارے مذہبی حقوق کو جبراً چھیننا چاہتے ہیں اور اگر گورنمنٹ برطانیہ کا توازن قائم کرنے والا ہاتھ درمیان میں نہ ہوتا تو ہر قصبہ و گاؤں میں آرہ و شاہ آباد اور کتار پور کے خونی مناظر دکھلائی دیتے۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ جن ظالموں کو ان کی بد کرداریوں کی پاداش میں سزا دی گئی ان کی رہائی کے لئے آپ کی قوم کے معزز اور متمول اراکین نے کیا کچھ نہیں کیا اور باوجود اس اعلیٰ معیار کے جو ہندوستان کی پولٹیکل لائف کے لئے آپ نے قرار دیا ہے آپ کو یا آپ کی قوم کے دیگر لیڈران کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ ان بیدردانہ مظالم یا اس قتل و غارت پر من حیث القوم اظہار نفرت کرتے اور ان بے رحم اور سفاک ہنود کو جنہوں نے جانوروں کی جان بچانے کی سعی میں انسانوں کو زندہ جلا دیا سزا دلوانے میں گورنمنٹ اور مسلمانوں کا ساتھ دیتے۔ ملزمان کے اعزہ ان کے بریت کے لئے جو کچھ بھی کوشش کرتے وہ حق بجانب تھی کیوں کہ فطری تعلقات کا یہی مقتضا ہے کہ بلا لحاظ حق و باطل کے ایسے مواقع پر مدد کی جائے لیکن ہنود وکلاء (ص ۔ ۳۴) کے ایک معتدبہ گروہ کی مفت پیروی۔ خفیہ و علانیہ امدادی چندے اور عام اظہار ہمدردی سے بجز اس کے

اور کیا نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی قوم ان ساری سزا کیوں
کو بنظر پسندیدگی دیکھتی ہے ۔ مسلمان ایک غیرت مند قوم ہیں
اور انہیں اس بات کا پورا احساس ہے کہ جس مذہبی حق کے
محفوظ رکھنے کے لئے ان کے ہزاروں غریب بھائی مدتوں تیغ
ستم کا نشانہ بنتے رہے ہیں اسے خیالی اتحاد کی عوض میں بیچ
کر دینا اسلامی حمیت کے بالکل خلاف ہے ۔ ہم لوگ سزا و
جزا کے قائل ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ چند مسلمان جو
آج کثار ہو کے قاتلوں کی رہائی کے لئے ساعی ہیں خدا وند تعالیٰ
کو کیا منہ دکھائیں گے اور قیامت کے دن جب ان سے یہ
پوچھا جائے گا کہ جس پودے کو ہمارے مقبول بندوں نے اپنے
خون سے سینچا تھا اور جس کے وجود سے اس ملک ہند میں اسلام
کی شان و شوکت کا ایک نمونہ باقی تھا اس کو تم نے کس
حق سے بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا تو کیا جواب دیں گے ۔
اگر سارے عقلی نقلی و اقتصادی دلائل کو بالائے طاق بھی رکھ
دیا جائے تو بھی یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ قومی غیرت ہرگز
اس کی مقتضی نہیں ہے کہ ہم اسقدر ظلم و ستم سہنے کے بعد
اس حق سے دست بردار ہو جائیں ۔

دوسرے ہمارے یہاں یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کسی امر
مباح یا سنت رسول میں مزاحمت کی جائے یا اس کو بجبر روکنے
کی کوشش کی جائے تو اس کا عمل وجوب کے درجہ تک پہونچ
جاتا ہے ۔ اس لئے جب ہنود کی جانب سے انسداد قربانی و اصرار
ہے اور ہمیں اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ ہم ایک خاص
جانور کو جو آپ کا معبود ہے آپ کی خاطر سے ذبح نہ کریں تو

ہمارے لئے مذہباً یہ واجب ہو گیا کہ ہم بجائے بکری کے
گائے ہی کی قربانی کریں تا کہ ہمارا (ص ۔ م ب) حق عدم نفاذ
کی وجہ سے زائل نہ ہو جائے ۔ ہم ہر روز یہ واقعات اپنی
آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جب کسی مسلمان نے جو ہمیشہ
گائے کی قربانی کرتا رہا ہو دو چار سال بقرعید کے موقع پر بعض
بکری ذبح کرلی تو پھر بعد میں اسے گائے ذبح کرنے کے حقوق
سابقہ کے نفاذ میں بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اس
وقت ہنود کی کوشش سے یہ تحقیقات شروع ہوتی ہے کہ آیا
اس خاص خاندان میں گائے کی قربانی کا رواج بھی تھا یا نہیں
گویا ہمارا شرعی حق انتخاب اس تائیدی شہادت کا محتاج
ہے کہ ہم برابر اس سے مستفید ہوتے رہے ہیں چونکہ گاؤ کشی
کے سلسلہ میں رسم و رواج کا مسئلہ آج کل نہایت اہم ہو گیا
ہے اور اس کی آڑ میں غریب مسلمانوں پر طرح طرح کی زیادتیاں
کی جاتی ہیں اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس کی صحیح
نوعیت کے سمجھنے کے لئے سعی فرماویں اور اس سلسلہ میں میں
دو باتیں گزارش کرنا چاہتا ہوں :-

(۱) اول یہ کہ ہم لوگ کتاب اللہ اور سنت رسول کے
پابند ہیں ہمارے یہاں رسم و رواج کوئی معتبر چیز نہیں
اگر ایک محلہ میں چند لوگ بوجہ صاحب نصاب ہونے
کے گائے کی قربانی کرتے رہے ہیں اور اس کے بعد وہ
غریب ہو گئے تو اب ان کے لئے یہ ضروری نہیں رہا کہ
وہ اس رکن کو ادا کریں پھر جب کبھی دس پندرہ بیس
برس میں ان کے پاس فرداً فرداً ساڑھے باون تولہ چاندی

یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو جائے گا تو ان پر قربانی واجب ہو جائے گی کیا ایسی حالت میں یہ کہنا جائز ہوگا کہ یہ حق کچھ عرصہ کے عدم نفاذ کی وجہ سے زائل (ص - ۲۰۳) ہوگیا؟ اسی طرح اگر ایک خاندان کے ممبران جو ہمیشہ سے مفلس تھے - خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے متمول ہو گئے تو ان پر قربانی واجب ہو گئی چاہے وہ گائے ذبح کریں یا بھیڑ بکری ان کے لئے یہ تحقیقات بالکل بے معنے ہے کہ وہ سالہائے ماضیہ میں کیا کرتے رہے ہیں کیوں کہ جب ان پر غربت کی وجہ سے قربانی واجب ہی نہ تھی تو پچھلے طریق عمل کو آئندہ کے لئے معیار قرار دینا حماقت نہیں تو اور کیا ہے علاوہ ازیں اگر کوئی شخص باوجود مستطیع اور مکلف ہونے کے اس رکن کی ادائگی سے قاصر رہا ہے لیکن اب خدا وند تعالیٰ نے اسے ہدایت دی اور وہ گائے کی قربانی کرنا چاہتا تو اس سے یہ کہنا کہ یا تو اونٹ و بکری ذبح کرو یا بدستور ترک واجب کے گنہگار ہوتے رہو کہاں تک مناسب ہے - ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی قانون میں ایک نہایت زبردست فرق یہ ہے کہ ہمارا شرعی قانون پرسنل یا شخصی ہے اور آپ کا لوکل یا مقامی - ہم چاہے چین میں رہیں یا عرب میں - امریکہ چلے جائیں یا انگلستان ہم پر وہی پانچ وقت کی نماز - رمضان کے روزے - حج و زکوٰۃ فرض رہتے ہیں ہم (ص - ۲۰۴) جہاں

کہیں جاتے ہیں اپنا قانون اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور بلا لحاظ اسکے کہ ہماری جائے سکونت کا رواج کیا ہے ہم پر ہماری شریعت کے احکام قابل پابندی رہتے ہیں بخلاف اس کے آپ کے یہاں ملکی دستور ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور ہر مقام کا مذہبی قانون جدا گانہ ہے مثلاً بنگال خاص میں دیا بھاگ اور اس کی تفاسیر پر - ممالک متحدہ - بہار - پنجاب - اوڑیسہ وغیرہ میں متاکشرا پر - صوبہ بمبئی میں - میو کھا پر - مدراس میں اسمرتی چندریکا پر مذہبی امور کا عمل درآمد ہوتا ہے اس لئے اگر کلکتہ کا ایک خاندان جو اب تک دیا بھاگ سکول (جس کو بنگال اسکول بھی کہتے ہیں) پابند تھا لکھنؤ جا کر آباد ہو جائے اور وہاں کے طریقوں کو اختیار کرے تو اس کے لئے شرعی حکم بدل جائے گا اور وہ متاکشرا یا بنارس اسکول کے ماتحت سمجھا جائے گا - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کے لئے (ص - ۲۰۴) کوئی عام مذہبی قانون ایسا نہیں ہے جو ہر جگہ اور ہر زمانہ میں قابل عمل ہو بلکہ ہر مقام کے لئے ایک نیا آئین ہے اور جو ہندو وہاں جا کر رہے گا وہ مقامی اسکول کا ماتحت سمجھا جائے گا - لیکن ہمارے لئے یہ بالکل بے معنی ہے کہ گائے کی قربانی کے لئے ہم اپنے جائے قیام کے رواج کے پابند کئے جائیں کیوں کہ ہمارا قانون شخصی ہے نہ کہ مقامی - اگر روس کے مسلمان ہندوستان میں آ کر متوطن ہو جائیں تو کیا ان کو گائے کی قربانی سے اس بنا پر روکنا جائز ہوگا کہ ان کے قرب و جوار میں اس کا دستور نہیں - درحقیقت ہمارے اور آپ کے قانون کی نوعیت میں جو فرق ہے اس کو اکثر

نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہندو کی جانب سے یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہمیں بھی مقامی رسم و رواج کی رسیوں سے جکڑا جائے حالانکہ ہماری شریعت کا تعلق افراد کی ذات سے ہے نہ کہ ان کے جائے سکونت سے - اگر ایک بار اس باریک فرق کو خوب غور سے سمجھ لیا جائے تو بہت سے غلط فہمیوں کا سدباب ہو جائے -

(۲) اب اگر ہندو کی جانب سے یہ کہا جائے کہ جب مسلمان یہاں آ کر آباد ہوئے ہیں تو انہیں ہمارے ملک کے رواج کا لحاظ کرنا پڑے گا تو یہی میں عرض کروں گا کہ اس پہلو سے بھی ہمارا ہی پلہ بھاری رہتا ہے - اصول قانون کے مشہور مصنفین مثال آسٹن - ھالینڈ - سالمنڈ - (ص - ۹۸) اور ھنری مین کا اس پر اجماع ہے کہ دستور یا رواج دس بیس پچاس سال کے طریق عمل سے کبھی نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کے قابل نفاذ ہونے کے لئے حسب ذیل شرائط کی ضرورت ہے -

(الف) "قدیم ہو اور وہ بھی اتنا کہ کسی کو یہ تک یاد نہ ہو کہ وہ کب سے جاری ہے"

اس کے متعلق صرف یہ کہنا کافی ہے کہ پرانے زمانے میں خود ہندو میں گاؤ کشی کا رواج تھا اس کے بعد جب سے مسلمان فاتحانہ حیثیت سے اس ملک میں آئے اس وقت سے اب تک جسکو کئی صدیاں گزر چکی ہیں گائے کی قربانی علی الاعلان جاری ہے تو پھر اس بات کی تحقیقات بالکل فضول ہے کہ کوئی خاص شخص انفرادی حیثیت سے اس حق سے مستفید ہوتا رہا ہے یا نہیں رسم و رواج ملک یا شہر کا معتبر ہوتا ہے نہ کہ کمیونٹی

کے بعض افراد کا یا آبادی کے ہر گلی کوچہ کا اور یہ ظاہر ہے کہ یہاں رسم گاؤ کشی قدیم الایام سے جاری ہے -

(ب) "معقولیت پر مبنی ہو"

میں نے اوپر دکھلا دیا ہے کہ کیا علا اور کیا اقتصادی پہلو سے انسداد گاؤ کشی ملک کے لئے مضر ہے اور اس کا جاری رہنا مفید -

(ج) "قانون سلطنت - پبلک پالیسی - انصاف (ص - ۹۰) اور کانشنس کے خلاف نہ ہو"

ہم سب جانتے ہیں کہ گورنمنٹ کی جانب سے ہمیں پوری مذہبی آزادی حاصل ہے اس لئے گائے کی قربانی کا انسداد جو ہمارے شرعی احکام کے صریحاً خلاف ہے قوانین ملکی کے منافی ٹھہرا علاوہ بریں پبلک پالیسی اور انصاف کا بھی یہی منشا ہے کہ ہر شخص کو اس کے مذہبی اصول کے مطابق بلا مزاحمت عمل کرنے دیا جائے -

اب ذرا آپ ہی فرمائیے کہ گاؤ کشی اس ملک کا رواج ہے یا نہیں اور جو تدابیر کہ گائے کی قربانی روکنے کے لئے کی جا رہی ہیں وہ کہاں تک جائز ہیں ؟ علاوہ بریں گائے کی قربانی کو روکنے کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ مطلق قربانی ہی بند ہو جائے کیونکہ لاکھوں مسلمان ایسے ہیں جن پر صاحب نصاب ہونے کے باعث (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کا مالک ہونے کی وجہ سے) قربانی تو واجب ہے لیکن ان پر گراں قیمت بکری یا اونٹ کا خریدنا نہایت شاق ہے ایسی صورت میں دائرہ انتخاب کو تنگ کرنے کے یہ معنی ہیں

کہ یہ لوگ ایک اہم مذہبی رکن کی ادائگی سے محروم رہینگے اور عند اللہ مواخذہ دار ٹھیریں گے۔

مہاتماجی! قربانی کے مسئلہ کے متعلق جو کچھ مجھے عرض کرنا تھا وہ کردیا اور اب میں اس بارے میں دو ایک اصولی باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ہنود کے مذہبی جلوس میں یا ان کے تہواروں کے موقع پر نہ ہم شریک ہو سکتے ہیں اور نہ کسی طریقہ سے شعائر کفر کی ترویج میں مدد دے سکتے ہیں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ —

"تم میں سے جو شخص[1] کسی نا مشروع چیز کو دیکھے تو اس (ص-۵۰) کو چاہئے کہ اسے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دے اور اگر یہ نہ کر سکے تو اس کو زبان سے برا کہے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اس کو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے"

یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں یہ ہمارے لئے نا ممکن ہے کہ ہم کسی دوسری قوم کی باطل پرستی کو بزور دستی روک سکیں اس لئے ہمارے لئے صرف دو ہی طریقہ باقی رہتے ہیں ایک یہ کہ زبان سے شعائر کفر کی برائی کا اقرار کریں اور دوسرے یہ کہ دل سے ان کو برا جانیں۔ پس ایسی حالت میں ہم سے ہرگز یہ توقع نہ رکھنی چاہئے کہ ہم کبھی بھی ہنود کے مذہبی جلوس مثل رام لیلا و اوتار و دسہرہ وغیرہ میں شریک ہونگے یا کسی طریقہ سے ان کاموں میں ان کی مدد کرینگے اس

۱ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان۔

قسم کی بیگانگت اور یک جہتی کا برتاؤ جیسا کہ پچھلے سال ستیہ گرہ کے موقع پر ہوا کہ بعض جگہ ہندو مسلمانوں نے ایک دوسرے کا جھوٹا پانی پیا۔ سوامی شردھا نند وغیرہ مسجدوں کے ممبروں پر لیکچر دینے کے لئے پہونچ گئے مسلمانوں نے چندن لگا اور مندروں میں جا کر دعائیں مانگیں یہ سب باتیں لغو ہیں اور ناجائز۔ ان کو یک قلم موقوف کر دینا چاہئے اور یہ لیڈران قوم کا فرض ہے کہ جب کبھی جوش کے مواقع ہوں تو عوام کو افراط و تفریط سے بچنے کی ہدایت کریں تا کہ کسی فریق کے مذہبی امور میں دوسری جانب سے مداخلت نہ ہو سکے اس میں شک نہیں کہ کسی دینی حرج نہ ہونے کی صورت میں ہمارے یہاں ہنود کے ساتھ مدارات دنیوی جائز ہے اور میں خود اس بات کا خواہشمند ہوں کہ مسلمان من حیث القوم ان کے ساتھ روز مرہ کی زندگی میں اخلاق برتیں ان کے حقوق ہمسائگی کا خیال رکھیں ان کی تکالیف کے دور کرنے میں سعی کریں شادی بیاہ کے موقعوں پر ان کا ہاتھ بٹائیں غمی میں ان کے شریک رنج ہوں وغیرہ وغیرہ۔ خود ہمارے پیغمبر صلعم روحی فدا کا اخلاق اتنا وسیع تھا کہ آپ اپنے دشمنوں کے (ص-۵۰) ساتھ ایسا کریمانہ برتاؤ کرتے تھے جیسا کہ ہم آج اپنے بھائیوں سے بھی نہیں کرتے اور اسی کا یہ اثر تھا کہ مشرکین عرب باوجود قلبی عداوت کے آخر میں اسلام کی حقانیت پر ایمان لے ہی آئے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم دینی معاملات میں کسی کی ذرہ برابر بھی رعایت ملحوظ رکھیں۔ ہمارے یہاں ہر چیز کا ایک قاعدہ و اصول مقرر ہے اور ہم اس سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتے۔

مہاتماجی! میری تحریر سے غالباً آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہوگا کہ جب مسلمان اپنے مذہبی اصولوں پر اس سختی سے عامل ہیں اور ہنود کی خاطر سے ایک انچ بھی اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں چاہتے تو پھر اتفاق و اتحاد کا ہونا نا ممکن ہے مگر مجھے اس معاملہ میں بالکل مایوسی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ساری دقتیں اس لئے پیدا ہو رہی ہیں کہ ہمارے بعض لیڈروں نے دین کو ایک بازیچۂ طفلاں بنا رکھا ہے اور ملکی مصالح یا خیالی فوائد کی بنا پر اس میں رخنہ اندازی کرنا چاہتے ہیں جس سے آپ کی قوم میں یہ غلط خیال پیدا ہو چلا ہے کہ اسلامی شعائر بضرورت ترمیم کئے جا سکتے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تمام ایسے خیالات و معتقدات جو اسلامی تعلیم کے منافی ہوں یا جن سے ہمارے دین کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو قابل ترک ہیں۔ میں اپنے دعوے کی تائید میں خود رسول خدا صلعم کے زمانہ مبارک کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جس سے آپکو یہ معلوم ہوگا کہ یہ اصول ہمارے یہاں ابتدا ہی سے مد نظر رکھا گیا ہے اور کسی دور تعصب کا کرشمہ نہیں ہے حضرت حاطب بن بلتعہ ایک نہایت جلیل القدر صحابی تھے جو غزوہ بدر و خندق میں شریک رہ چکے تھے اور جن کی تعریف خود جناب رسول اللہ صلعم نے فرمائی تھی ان سے یہ غلطی ہو گئی کہ انھوں نے مدینہ سے کفار مکہ کو بطور مخبری کے ایک خط اس توقع پر لکھدیا تھا کہ اگر کفار مکہ ان سے خوش ہو جائینگے تو انکے اہل و عیال پر جو مکہ میں تھے کسی قسم کا تشدد کرنے کے بجائے ان کو آرام دینگے اور ان کی خبر گیری کریں گے (ص۔ ۵۳)

اس کی اطلاع ہو گئی اور وہ خط پکڑا گیا حضرت حاطب نے صداقت کے ساتھ اپنی خطا کا اقرار کیا اور خط لکھنے کی وجہ بیان کی اس پر بارگاہ خدا وندی سے یہ عتاب آمیز آیت نازل ہوئی۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء تلقون الیہم بالمودۃ و قد کفروا بما جاءکم من الحق۔ اس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ہمارے یہاں ذاتی نفع یا دفع ضرر یا کسی کی خاطر داری یا کسی امید موہوم کی بنا پر اسلامی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے یہ ظاہر ہے یہ استحصال نفع بذاتہ کوئی مذموم فعل نہ تھا۔ مگر مذہبی ضرر کی وجہ سے اس کا ترک لازم تھا کیوں کہ اسکا حصول کفار کی ناجائز مدارات پر مبنی تھا اور اسی لئے ہمارے فقہائے کرام نے یہ قاعدہ تحریر فرمایا ہے۔

کما فی الاشباہ والنظائر[1] درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح فاذا تعارضت مفسدۃ و مصلحۃ قدم دفع المفسدۃ غالباً لان اعتناء الشرع بالمنہیات اشد من اعتنائہ بالمامورات۔

یعنی نقصانات کا دفع کرنا راجح ہے مصالح اور منافع کے حاصل کرنے سے تو جس وقت لزوم نقصان اور تحصیل منفعت کے درمیان تعارض ہوگا تو دفع نقصان کو مقدم سمجھا جائیگا اور یہ ہی غالب ہے کیوں کہ اہتمام شریعت کا ممنوعات کے روکنے کے بارے میں تحصیل مامورات سے زیادہ ہے۔ ان تمام دلائل کی بنا پر میں یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ انسداد گاؤ کشی کی جو تدابیر بعض سیاسی لیڈران قوم مثل مسٹر محمد علی و

۱ سورہ ممتحنہ پارہ ۲۸ (۲) صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ مصطفائی پریس ۱۲

شوکت علی فضل الحسن حسرت ۔ مشیر حسین قدوائی اور حکیم اجمل خاں صاحب کر رہے ہیں وہ سب یا تو ان کی مذہبی ناواقفیت کی وجہ سے (ص ۔ ۳۰) ہیں یا ہنود میں ہردلعزیزی حاصل کرنے کی غرض سے مسلمان من حیث القوم ان لوگوں کو نہ اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں نہ ان کی اس قسم کی قوم فروشی کی حرکات کا اتباع کرنا چاہتے ہیں ۔ اگر "ہندو مسلم اتحاد" کا ما حصل صرف اسی قدر ہے کہ ہم میں سے چند ہندو پرست اصحاب کو منتخب کر کے ان سے حسب دلخواہ کام لیا جائے اور انھیں کے ہاتھ سے ہمیں ذبح کرایا جائے تو پھر ملکی ہمدردی کے لمبے چوڑے دعوے فضول ہیں لیکن اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کا اتفاق ہو تو آپ کو افراد کی ذاتی رائے کو چھوڑ کر ہمارے قومی و اسلامی نقطہ' خیال پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہوگی اور "بستان وینہ" کے اصول پر عمل کرنا ہوگا ۔ سب سے پہلے جس بات کی ضرورت ہم محسوس کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ مذہب کو سیاسیات سے بالکل علیحدہ رکھا جائے تا کہ جانبین کے معتقدات نا جائز دخل اندازی سے محفوظ رہیں ۔ علاوہ بریں جو تہوار و رسوم و جلوس آپ کے مخصوصات میں سے ہیں ان میں قطعاً مسلمانوں کو شریک نہ کیا جائے نہ آپ لوگ ہمارے مذہبی امور میں مخل ہوں بلکہ لکم دینکم ولی دین پر عمل رہے اگر کچھ عرصہ تک ان باتوں کا لحاظ رکھا جائے گا اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں چاہے وہ قربانی کے متعلق ہو یا نماز و اذان وغیرہ کی بابت مداخلت نہ کی جائے گی تو اس کا یہ اثر ہوگا کہ آج جو کشمکش

ان دونوں قوموں میں موجود ہے وہ بہت کم ہو جائے گی اور ملکی معاملات میں دونوں ایک دوسرے کے شریک ہو سکیں گے ۔ یہاں پر میں یہ بھی گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ مخالفت کی بنا صرف گاؤ کشی ہی نہیں ہے بلکہ اردو ہندی کے جھگڑے نظام سلطنت میں ہمارے حقوق کی مزاحمت انتخاب جداگانہ سے انکار ۔ سرکاری ملازمت کی کش مکش وغیرہ وغیرہ بھی اپنی اپنی جگہ پر اتحاد کے موانع ہیں اس لئے یہ اصول تسلیم کر لینے کے بعد (ص ۔ ۳۰) کہ مذہب کو سیاسیات سے علیحدہ رکھا جائے اور جانبین کے معتقدات سے تعرض نہ کیا جائے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ایک زبردست کمیشن مساوی التعداد ہندو مسلمانوں کے معتمد علیہ اشخاص کا مقرر کیا جائے جو حسب ذیل احکام پر غور کرنے کے بعد ایک قابل قبول اور ممکن العمل فیصلہ کر دے ۔

(۱) ہندوستان کی تقسیم از سر نو قومیت کی بنا پر اس طرح کی جاوے کہ ہر قوم کے لئے بڑے سے بڑا حصہ اس کی آبادی کا مخصوص کر دیا جائے اور یہ حصہ اس قوم کا حلقہ اثر قرار دیا جائے مثلاً مسلمانوں کے لئے حسب ذیل تین صوبجات بنائے جا سکتے ہیں ۔

(الف) صوبہ سرحدی و مغربی پنجاب کے دس اضلاع ۔ راولپنڈی ۔ اٹک ۔ جہلم ۔ گجرات ۔ شاہ پور ۔ میانوالی ۔ جھنگ ۔ مظفر گڑھ ڈیرہ غازی خاں اور ملتان یکجا کر کے ایک صوبہ بنا دیا جائے ۔

(ب) بنگال میں ۔ بوگرا ۔ رنگپور ۔ تاجپور ۔ جیسور ۔ ندیا ۔ فرید پور ۔ ڈھاکہ ۔ راج شاہی ۔ پبنا ۔ میمن سنگھ ۔ باقر گنج ۔

نواکھلی - ہٹرا و چاٹاگانگ کے اضلاع کا دوسرا صوبہ بنا دیا جائے -

(ج) سندھ کو بمبئی پریسیڈنسی سے جدا کر کے تیسرا صوبہ بنا دیا جائے -

(۲) یہ بات اصولاً طے کر دی جائے کہ اس تقسیم کے بعد ہر حصہ ملک کا نظم و نسق اس کے کثیر التعداد رعایا کے (ص - و ء) مفاد کے لئے کیا جائے گا -

(۳) قلیل التعداد اقوام کی حفاظت و ادائے مراسم مذھبی و حقوق ملازمت وغیرہ کے لئے قواعد مرتب کئے جاویں اور ان کے لئے قومی سیاسی اھمیت کی بنا پر حسب ضرورت دارالامن قایم کئے جائیں مثلاً پنجاب میں سکھ ایک با اثر قوم ھے لیکن کسی واحد ضلع میں وہ بلحاظ آبادی کے ھنود یا مسلمانوں سے زیادہ نہیں ھے جو اس کا حلقہ اثر بنایا جا سکے - اس لئے قومی و پولیٹیکل اھمیت کی بنا پر ان کے لئے ایک دارالامن قایم کیا جائے - لودھیانہ و امرتسر اس کے لئے بہت موزوں ھیں ان مقامات کا نظام حکومت سکھوں کے مفاد کے لحاظ سے ترتیب دیا جائے - سیالکوٹ عیسائیوں کا ملجا و ماویٰ قرار دیا جائے اور ان کو وھاں وھی حقوق دئے جائیں جو سکھوں کو امرتسر و لودھیانہ میں - اسی طرح ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں جو اسلامی تمدن کا گہوارہ ھے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے خاص انتظام کی ضرورت ھو گی -

(۴) تبادلہ آبادی کے لئے سہولتیں بہم پہونچائی جائیں تا کہ

قلیل التعداد اقوام کے افراد جو کسی وجہ سے ترک وطن کر کے خود اپنی قوم کے حلقہ اثر میں جانا چاھیں وہ بغیر زیادہ نقصان کے تبدیل سکونت کر سکیں -

(۵) (ب - ۲ - ۳) کمیشن مجوزہ کا اضافہ قومی معاھدہ کی صورت میں ترتیب دیا جائے اور گورنمنٹ کے سامنے بطور ملکی مطالبہ کے عمل درآمد کے لئے پیش کیا جائے -

(۶) جس وقت تک اس طرح کا معاھدہ نہ ھو جائے -

(الف) مسلمانوں کے انتخاب جداگانہ کی مخالفت نہ کی جائے

(ب) پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی نمایندگی کا تناسب آبادی کی بنا پر قرار دیا جائے - جو تناسب نمایندگی کانگریس لیگ اسکیم نے قرار دیا ھے اس کی رو سے جن صوبوں میں مسلمان بلحاظ آبادی کے زیادہ ھیں وھاں بھی ان کی میجارٹی نہیں رھی اور جہاں قلت تھی وہ بدستور قایم ھے یہ سرا سر بے انصافی ھے -

(ج) مذھبی مناقشات کے انسداد کے لئے قومی پنچایتیں قایم کی جائیں جن میں ھندو مسلمانوں کے نمایندوں کی تعداد مساوی ھو اور ھر قوم کی پنچایت کے لئے وھی لوگ منتخب کئے جاویں جو در حقیقت معتمد علیہ ھوں -

مہاتما جی! اب میں اس عریضہ کو ختم کرتا ھوں اور متوقع ھوں کہ جس دلسوزی سے میں نے اسکو لکھا ھے آپ اسکی قدر کرینگے اور اسکو نہایت غور و تامل کے ساتھہ اول سے آخر تک پڑھ کر اپنے خیالات سے اھل ملک کو مطلع فرمائینگے تا کہ

ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ (جو یونا) جس پر ملک کی آیندہ ترقی و بہبودی کا دارومدار ہے ہمارے جاہ پسند لیڈروں اور آپ کی قوم کے متعصب افراد کی دست برد سے محفوظ رہے اس وقت ملک میں آپ کا اثر ہے اور آپ سے یہ امید کرنا بیجا نہیں ہے کہ آپ اسے اہل ہند کے مناقشات کے دور کرنے میں استعمال فرماوینگے۔

وما علینا الا البلاغ

آپ کا نیاز مند

محمد عبد القدیر بلگرامی

IDARA-E-ILM-O-ADAB
Chhatary Compound, Rasal Ganj,
ALIGARH, U.P.



ادارۂ علم و ادب
چھتاری کمپاؤنڈ رسل گنج
علی گڑھ

Ref. No. .... Dated

۳۹

یہ خط ستمبر [illegible] تب تھا
نام مولانا آزاد کا تھا۔ مگر قاضی صاحب اپنا
نام اپنے سرکاری تعلق (یعنی ملازمت)
کی وجہ سے ظاہر نہیں کر سکتے
تھے۔ لہذا اپنے بھائی عبد القدیر
کے نام سے شائع کیا۔ یہ پمفلٹ
چھپ گیا [illegible] مطبوعہ [illegible]
ایک اور مطبع نے چھاپا اور وہ
اب تک شائع ہو رہا ہے۔

سرخ خط کے درمیان کا حصہ [illegible]
[illegible]

شایع کیا ۔ میرے چھاپے ہوئے سے میرے مطبوعہ کا حوالہ دے کر ایک اور مطبع نے چھاپے اور وہ اب تک شایع کر رہا ہے ۔

رات صبح صادق کے وقت میں نے قاضی صاحب کو خواب میں دیکھا ۔ میں ان کے مکان پر ہوں ۔ وہ سفر سے واپس آئے ہیں ۔ اچکن کے بٹن کھلے ہوئے ہیں ۔ میں نے استقبال کیا ۔ صحن کی سیڑھیوں پر واڑھے ہی مجھسے لپٹ گئے ۔ تم لوگ ابھی جمع ہو اور کسی کے مقابلہ میں کوئی مرحلہ ہے میں اسی فکر میں ہوں کہ قاضی صاحب کو معاملہ سے آگاہ کرکے ان سے بھی رائے لی جائے ۔

میری رائے میں تعبیر یہ ہے کہ تمہارا یہ عمل ان کی روح پاک کو پسند ہے ۔

شکر گذار دعا گو
محمد مقتدی خاں شیروانی

مجھے براہ راست بلا واسطہ واقفیت ہے
کہ رسالہ "ام الصبیان" کا خطبہ بعبارات
اور (آمین) بہ وسیع انجا دیہ لکھا تھا
گا ملوحی کے نام کھلا خط مخفی حزب الدین
احمد [illegible] مرحوم کی تصنیف ہیں ۔ اور
انجمن [illegible] اپنے صرف سے چھپوایا
تھا ۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں انجمن اوقات کی
پنجاہ سالہ سنہری جوبلی کے موقع
پر یہ چھپ کر شایع ہوئے تھے ۔
خطبہ الصبیان پر مصنف کا نام نہیں
دیا ۔ کیوں کہ مطلق ضرورت نہ تھی ۔
مولانا گا ملوحی کے نام کھلا خط عبد القیوم

٧٨٦

۲۴ شوال المکرم سنہ ۱۳۸۷ھ

۲۴ جنوری سنہ ۱۹۶۸ء

عزیز من سلمہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

تمہارا ۲۰ دسمبر سنہ ۱۹۶۷ء کارڈ ملا۔ مگر میری تحریر میں وزن پیدا کرنے کے لئے یہ بھی ضرور بتلا دینا کہ میں کون ہوں اور قاضی صاحب مرحوم سے میرے کیا تعلقات تھے۔ میں کون ہوں یہ تم نے

"A short sketch of my literary life".

سے معلوم کیا ہوگا۔

میں براہ راست بلا واسطہ واقف ہوں کہ رسالہ (۱) "ابلیس کا خطبہ صدارت" اور (۲) "ہندو مسلم اتحاد پر مہاتما گاندھی کے نام کھلا خط" قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی مرحوم کی تصنیف ہیں۔ اور انہی نے انہیں اپنے صرف سے چھپوایا تھا سنہ ۱۹۲۵ء میں ایم۔ اے او کالج کی پنجاہ (۵۰) سالہ سنہری جوبلی کے موقع پر یہ چھپ کر شائع ہوئے تھے۔ خطبہ ابلیس پر مصنف کا نام نہیں دیا۔ کیونکہ مطلق ضرورت نہ تھی۔ مہاتما گاندھی کے نام کھلا خط عبد القدیر کی طرف سے ہے۔ اس پر کاتب کا نام ہونا ضروری تھا۔ مگر قاضی صاحب (م) اپنا نام اپنی سرکاری تعلق (ڈپٹی کلکٹری) کی وجہ سے قانوناً نہیں دے سکتے تھے۔ لہذا اپنے بھائی عبدالقدیر کے نام سے

(5) "The decision of the Commission should be given the form of an international Agreement and should be placed before the Government as a united agreed demand for implementation.

(6) "Until such time as such a treaty is drawn up

(a) Hindus should not oppose the right of separate electorate to Muslims.

(b) In the Punjab and Bengal, Muslim representation should be on the basis of their population in these provinces ; the proportion agreed to between the Congress and Muslim League for representation of Muslims in the province where they are in a majority in actual fact reduces the Muslims majority in these provinces, while in the minority provinces they still continue to be in a minority. The existing arrangement is, therefore, contrary ol justice and fair play.

(c) Panchayats with equal number of Hindus and Muslims shoul be set up to resolve disputes ; only such persons who enjoy the confidence of their nation should be placed on these Panchayats".

Concluding his open letter Mr. Bilgrami says that he was submitting these proposals to Mahatma Gandhi in order to bring about a solution of the Hindu-Muslim question, on a satisfactory solution of which the country's future progress and prosperity would be vitally dependent. He requested Mahatma Gandhi to use his influence in the country to eliminate the differences between the various peoples so that "the position-loving Muslim leaders and the bigoted Hindus may cause no further damage to the country".

It would be readily conceded that Mr. Bilgrami's proposals published in March-April 1920 contained a very clear demand for the Partition of India in a form not so clearly put forward by any one earlier. Appearing at least ten years before the historic presidential address of 'Allamah Iqbal delivered at the Allahabad

session of the All India Muslim League in the 1930, the proposal of Abdul Qadir suggesting Partition of the sub-continent as the only solution of the Indian problem indicates that the League's demand to the same effect made in 1940 was not the consequence of a sudden outburst of Muslim sentiment, but the logical culmination of a continued process of political thinking as it was being shaped and nurtured by the march of events through the decades. It is an important link in the chain of events which led to the Muslim national demand of Pakistan and ultimately to the creation of Pakistan—the largest Muslim State on the map of the Globe.

Karachi
14 April 1970

Muhammad Ziaul Islam

Maulana Abdul Bari Franginahli and Mr. Musheer Hussain Qidwai, quoting from *Ahādīth* in support of his contention. Furthermore, he quotes the *Ramayan* and the *Bhagwat Gita* to show that from time immemorial the Brahmins and Hindu saints had sacrificed the cow e.g., Bharat Maharaj, younger brother of Rama, had been provided by the Hindu *Rishis* with wine and cow's beef at a feast when he set out to bring Rama back to Ajodhya. He also refers to economic considerations as well as international law in support of his contention that cow sacrifice was wholly in accord with Indian practice, laws of the land, public policy, justice and religious conscience. He pleads that a firm line be drawn between religion and politics, and that there should be no interference by the Hindus in the performance of religious rites by the Muslims such as cow sacrifice, calling of the *adhān* etc. and that non-interference in religious matters would create a better atmosphere for cooperation in the political field.

Out of 58 pages of the original pamphlet the writer devotes more than 54 pages to the above theme and then proceeds to observe as follows: "Cow sacrifice is not the only a factor creating animosity between Hindus and Muslims. The dispute over Urdu and Hindi, opposition to Muslim rights in the administration of the country, refusal to concede the facility of separate electorates to Muslims and the tussle over Government services are responsible for friction and preventing unity. It is, therefore, necessary that after the acceptance of these principles, a high power Commission consisting of representatives of Hindus and Muslims in equal number be appointed to consider the scheme cited below so as to produce a practicable and acceptable decision on the following lines:

(1) "On the basis of Hindus and Muslims being two nations India should be partitioned in such a manner that areas be set apart for the majority of each nation and these be regarded as the sphere of influence of each nation. For the Muslims the following three provinces be set apart:

(a) The NWFP and 10 districts of West Punjab namely Rawalpindi, Attock, Jhelum, Gujrat, Shahpur, Mianwali, Jhang, Muzaffargarh, Dera Ghazi Khan and Multan.

(b) In Bengal the districts of Bogra, Rangpur, Najpur, Jessore, Nadia, Faridpur, Dacca, Rajshahi, Pabna, Memonsingh, Baqarganj, Noakhali, Patra and Chittagong, be constituted into a separate province.

(c) Sind should be separated from the Bombay Presidency and constituted into a third Muslim majority province.

(2) "The principle should be accepted that after this redistribution of areas the administration would be run in accordance with the interests of the majority of the population in these provinces.

(3) "Regulations should be framed for the protection of minorities in all such areas which are the sphere of influence of the other. These should extend to freedom for practice of religious rites and should guarantee the right of employment to the minorities. In the Punjab the Sikhs are influential but are not in majority in any district, and therefore, not entitled to a separate area as their own sphere of influence but in view of their national and political importance Ludhiana and Amritsar should be administered in accordance with the interest of the Sikhs. Sialkot should be treated as the home of Christians who should be given the same rights there as are given to the Sikhs in Ludhiana and Amritsar. Similarly, in the United Provinces of Agra and Oudh areas which have for a long time been the cradle of Muslim culture and civilisation, Muslim rights should be fully guaranteed.

(4) "Facilities should be provided for the exchange of minority populations which may wish to move from one 'area of influence' to another so that such people may migrate with the minimum of loss.

tions and creation of Hindu and Muslim provinces or states in the subcontinent.

In 1899 Sir Theodore Morrison who was in close touch with Muslim political opinion suggested that the entire Muslim population of the subcontinent be concentrated in the territory extending from Peshawar to Agra. It would be readily seen that the proposal of Sir Theodore Morrison was not very different from the idea of a division of Hindu and Muslim majority Provinces and exchange of populations as advocated by 'Abd al-Halim Sharar.

The idea was more emphatically put forward in 1917 at the Stockholm Conference of Socialist International, when Dr. Abdul Jabbar Khairi and his younger brother, Prof. Abdul Sattar Khairi, circulated a plan for the partition of the subcontinent into Muslim and Hindu India. What a coincidence that Mr. Clement Attlee who was present at that Conference was Prime Minister of Great Britain under whom the British plan of partition was implemented! Mr. Attlee did not look favourably upon the Muslim political movement in the subcontinent and was much more inclined towards the Congress leadership in the country. In fact he was unable to correctly assess the intensity of Muslim sentiment on this issue, and did not possess enough foresight to read the future trends of politics in the subcontinent. However, Muslims and Hindus had not yet completely broken away from each other and had not yet closed the door of political reconciliation. We find that at a meeting of the All Indian Congress in Delhi in 1918 its President Pandit Madan Mohan Malaviya appealed to the Muslims in India to desist from injuring the sentiments of the Hindus in regard to cow sacrifice. He said that if Muslims could prove that cow sacrifice was essential from a religious point of view, he would allow it even if he had to witness it himself. During the Khilafat movement the need for Hindu-Muslim unity was once again stressed by a number of Hindu and Muslim leaders and was very nearly accomplished, but it was disrupted by communal riots in the Madras Presidency. The All India Muslim League in December

Ansari and Hakim Ajmal Khan advising Muslims completely to abstain from cow sacrifice.

In short at the close of the second decade of the century the question of cow-slaughter, particularly for sacrificial purposes, by the Muslims had become a major obstacle in the path of Hindu-Muslim unity: to the Hindus the cow was a sacred animal which they worshipped; the Muslims thought that their right to slaughter the animal on sacrificial occasions was beyond question. The leaders of both the communities were anxious and were labouring hard to prove the genuineness of their respective stands. An idea of the importance of this issue at the time can be formed if we recall that Mr. Gandhi himself was the leader of the movement for 'cow protection'. He had made it a question of life and death although he realised that it meant undermining the cause of Hindu-Muslim unity, the main prop of the freedom movement.

In March-April 1920 a detailed article in the form of an open letter to Mahatma Gandhi appeared in the *Zulqarnain*, Budaun, under the assumed name of Muhammad Abdul Qadir Bilgrami. In fact this was written by Mr. Azizuddin Ahmad Bilgrami who did not publish it under his own name as he was a serving officer. Later it was reprinted in the form of a pamphlet which was widely circulated. Mr. Azizuddin Ahmad Bilgrami belonged to District Hardoi near Lucknow, was educated at Aligarh and later entered the U.P. Civil Service and served for a number of years. Subsequently he became a Minister in the Bharatpur State.

The letter contains a detailed survey of the cow slaughter problem and its importance for the Muslims as a religious rite, but what renders it an important document for the study of our constitutional history is the fact that partition of the subcontinent was suggested by its author in unequivocal terms as the only remedy of the Hindu-Muslim problems.

Mr. Bilgrami took strong exception to the views of the Muslim leaders, Dr. M. A. Ansari, Hakim Ajmal Khan, Maulana Hasrat Mohani, Maulana Shaukat Ali, Maulana Muhammad Ali,

In the beginning of the nineteenth century, political conditions again posed a grave threat to Muslims. Taking advantage of these conditions, the British were able to establish their rule in Bengal by organizing a conspiracy against Sirāj al-Dawlah and in the Deccan by defeating the great leader of freedom fighters, Tipu Sulṭān, with the help of the then Niẓām and the Marathas. In the north they had assisted the Nawwāb-Wazir of Awadh in destroying the power of the Ruhilas and ultimately forced the former to cede to them vast territories extending up to the Jamna. In the north-west the Sikhs had established their authority.

Muslims in northern India were infuriated at the manner in which the Sikhs were converting mosques into stables, were prohibiting the adhān and congregational prayers and were carrying away Muslim women and inflicting all sorts of humiliation on Muslims. Though in a vast majority over the Sikhs, the Muslims could not offer effective resistance. This led to a movement of *Jihād* organized by the Muslims of other regions. Their great leader Sayyid Ahmad Shahid of Rae Bareli and his colleague and disciple, Shāh Ismā'il Shahid of Delhi, marched at the head of a large army of volunteers from different regions. The movement met with initial success in Peshawar and its neighbourhood, but the Mujāhids were betrayed by some local chiefs and annihilated in 1831 by a vastly superior Sikh army in an engagement at Balakot.

The Sikhs continued to rule over these areas and were assisted by certain sections of Muslims in maintaining their hold until they were defeated by the British in several battles; finally their territories were annexed to the British dominion.

In the rise of the British power national elements in India saw a political threat to the country's independent existence. They organized a revolution in 1857 under the leadership of the last Mughal Emperor and fought a War of Independence in which various communities were drawn side by side seeking to drive away the British from the Indian soil. On his part the Emperor by his setting up of an emergency cabinet and delegating for the first time some of

his powers to this body set up a constitutional central authority to which the people owed allegiance. The defeat of the Revolutionists at the hands of the British led to the direct assumption of power by the British Crown. The Hindus, who had not been as enthusiastic against the British as the Muslims, had begun to withdraw from the struggle as soon as symptoms of failure began to appear and adjust themselves to the changed political conditions; whereas the Muslims generally sulked in their own tent, dissociating themselves from the institutions which the new masters of India were trying to build. The hangover from the past and conditions created by the loss of political power brought about an unfavourable economic situation in which the Muslims found that they had fallen from the position of political predominance which they had occupied for several hundred years in India to that of a subsidiary community which was both a political and religious minority.

When the British Lt. Governor of the United Provinces sought to make Hindi the official language of the Province, Sir Syed Ahmad Khan then posted at Benares, told the Commissioner that the two nations in India would in future find it very difficult to join hands in the governance of the country. Because of the British policy of divide and rule and of cold shouldering the Muslims except in regions where they could find recruits for the British Indian Army, the cleavage between Muslims and caste Hindus grew wider and the two communities came to be regarded as adversaries.

The differences between Hindus and Muslims took the form of an acute political and economic tussle. Taking note of this an eminent Muslim writer, 'Abd al-Halim Sharar, observed in an editorial in his weekly *Muhadhdhab* of August 23, 1890: "...... the religious rights of one nation cannot be performed without injuring susceptibilities of the other...... If things have reached such a stage, it would be wise to partition India into Hindu and Muslim provinces and exchange the populations." This was the first specific suggestion for the partition of India, exchange of popula-

INTRODUCTION

Islām had entered the subcontinent much before the conquest of Sind by the young general Muhammad b. Qāsim early in the eighth century of the Christian era, but it was after this brilliant victory that it could penetrate far into the western part of the region. In due course it acquired considerable economic and commercial influence because of foreign trade. Towards the close of the tenth century came the second wave of conquests, under the leadership of the Ghaznawid Ṣulṭāns. In the last quarter of the twelfth century Ṣulṭān Mu'izz al-Dīn of Ghur began his series of campaigns which ended in the conquest of nearly the whole of north India. Early in the thirteenth century Delhi became the capital of an independent Muslim Ṣulṭānate. From then onward the frontiers of the Muslim State continued to expand until all regions of the subcontinent were knit into a vast and magnificent state with the Great Mughul Emperor as its head.

After the death of 'Ālamgīr in 1707, however, fissiparous tendencies began to work fast and in course of time several ambitious commanders and nobles of the Court assumed semi-regal powers in the far flung areas in the East and the South while in the western parts the Marathas established their power and in course of time dictated terms to Delhi. The fall in the prestige of the Mughul Emperor led to the rise of states and dynasties in other parts of the subcontinent though in theory the legal all sover-eignty of Delhi still continued. In the third battle of Pani-pat (1761) the Maratha power received a terrible blow, and those who were responsible for inviting Aḥmad Shāh Abdālī from outside the confines of India found time to reassert Mughul sovereignty but the mutual rivalries and jealousies of the nobles made it impossible for them to revitalize the machinery of Government.

PREFATORY NOTE

The *Open Letter to Mahatma Gandhi*, written and published by Mr. Azizuddin Bilgrami under the assumed name of Abdul Qadir is being published by the Society in view of its importance as a document which can be used as source-material by students of history. On my request Mr. Muhammad *Ziaul* Islam has written an introduction to the 'Open Letter', which, I am sure, will help the reader in understanding the background and significance of this valuable document.

Mr. Ziaul Islam is a known writer and experienced Editor. He started contributing to the national Press in 1929 and his first writings appeared in the *Muslim Outlook*, Lahore. For years he wrote for the *Eastern Times*, Lahore, the *Star of India*, Calcutta, the *Weekly Observer*, Allahabad, the *Weekly Star*, Allahabad, the *Statesman*, New Delhi, The *Pioneer*, Lucknow, and the *Times of India*, Bombay.

Shortly after partition he became Editor of the *Daily Gazette*, *Civil & Military Gazette*, Karachi. He has made a special study of the foreign policy of Pakistan especially of the Kashmir problem. He wrote the chapter, The Sale of Kashmir, for Volume II of *A History of the Freedom Movement*. He was a member of the Pakistan Delegation to the U. N. Security Council in 1949, 1956 and twice in 1957. At present he is engaged in the study of the Freedom Struggle and the Pakistan Movement.

S. Moinul Haq

CONTENTS

An Open Letter to Mahatma Gandhi

(containing a scheme for the partition of the subcontinent, written and published in 1920)

with

AN INTRODUCTION

by

Muhammad Zinal Islam

PAKISTAN HISTORICAL SOCIETY
30 NEW KARACHI HOUSING SOCIETY, KARACHI-5
1970

Pakistan Historical Society, Publication No 55

Price Rs. 4/50